پُراسرار، ہیبت ناک "جناتی" ناول
سولھواں سال
ایم ۔ اے راحت

تیرا ستیا ناس، مسٹنڈی، ہتھیاری، پھول پھول کر کپا ہوئی جا رہی ہے جوانی ہے کہ کمان میں چڑھے ہوئے تیر کی طرح نکل پڑنے کو تیار، باپ کی جیب میں پھوٹی کوڑی نہیں ہے کہ تیرا منہ کالا کر دوں۔ ہاتھ پاؤں ہلانے میں جان جائے ہے۔ اینٹھ رہی ہے صبح سے بستر پر، ابھی وہ سب مرداریں جاگیں گی اور میری جان کو ریں ریں، پیں پیں لگا دیں گی۔ ماتا جی روٹی دو، ماتا جی روٹی دو، آٹے کی چکی بھی نہیں ہے گھر میں۔ اری میں کہتی ہوں اٹھتی ہے یا نہیں۔ آٹا تیرا خصم پیسے گا آ کر۔ اٹھتی ہے یا دوں کمر پر لات۔

سرلا دیوی نے ایک ہی سانس میں دل کی پوری بھڑاس نکال ڈالی اور شکتی آنکھیں ملتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس نے دونوں ہاتھ اٹھا کر پرسکون انگڑائی لی اور منہ چلانے لگی۔

"صبح ہو گئی ماتا جی۔" اس نے اطمینان سے پوچھا۔

"صبح ہو گئی ماتا جی، سرلا دیوی منہ ٹیڑھا کر کے بولیں، اری موت پڑی

سورج سر پر آنے والا ہے اور تو صبح کو رو رہی ہے' اٹھ آٹا پیس' گیہوں چکی کے پاس رکھے ہوئے ہیں' جلدی کر میں چولہا جھونک لوں' گیلی لکڑیاں لا کر مار دی ہیں میرے سر پر۔ اس موئے مرد کو تو سنسار میں آنا ہی نہیں چاہیے تھا' اور آ بھی مرا میرے ہی سر پر مصیبت آنی تھی اس کی' کہیں اور جا مرتا پگڑ باندھ کر۔ کالک لگے ان نرکھوں کے منہ پر' جو بر کی تلاش میں میرے ہی گھر آ کر مرے تھے اور ستیا ناس جائے ان کا جنہوں نے آنکھیں بند کر کے اسے میرے پلو سے باندھ دیا۔ موا دن بھر چاک پر لٹھیا گھمائے ہے اور ملے ہیں وہی اناج کے چند دانے کہ تن پر ہے تو پیٹ میں نہیں اور پیٹ میں ہے تو تن ڈھکنے کے لالے پڑے ہیں۔

سرلا دیوی دیر تک بڑبڑاتی رہیں اور پھر رسوئی میں گھس گئیں اور باقی غصہ لکڑیوں پر اتارنے لگی۔

شکتی نے بڑے اطمینان سے باہر جا کر منہ ہاتھ دھویا' بالوں میں کنگھی کی آئینے میں خود کو دیکھا اور مطمئن ہو کر کونے میں رکھی چکی کی طرف بڑھ گئی۔ چکی کے پاس پڑی پیڑھی پر بیٹھ کر اس نے کول ڈالنے شروع کر دیئے اور چکی کی مدھم آوازیں گھر میں گونجنے لگیں۔

سرلا دیوی کی تقریر اس گھر کے تمام لوگوں پر بے اثر تھی۔ ان کی یہ تقریر تو گھر میں موجود لوگوں کو یہ احساس دلاتی تھی کہ صبح ہو گئی ہے اور جس دن یہ تقریر نہ ہوتی اس دن صبح ہونے کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا۔

چکی کے دونوں پاٹ گنگناتے رہے اور شکتی کی چوڑیاں بجتی رہیں' سفید سفید آٹا پیتل کی پرات میں جمع ہو رہا تھا کہ اچانک شکتی کے ہاتھ رک گئے۔

وہی آواز سنائی دی' پھر وہی آواز سنائی دی تھی' جیسے رات کے تاریک سناٹوں میں چاندنی ہنس پڑے' گھور اندھیرے کی چادر میں سونے کے داغ چمک اٹھیں یا کسی گنگناتے ہوئے آبشار سے گرتی ہوئی پانی کی دھاریں کسی نازک سے سنہرے برتن کو جھنجھوڑ دیں۔ شکتی کے چہرے پر خوف ابھر آیا۔



دوسرے لمحے اس نے پیڑھی سے چھلانگ لگا دی اور کانپتی ہوئی رسوئی میں گھس گئی جہاں دھواں بھرا ہوا تھا اور دھوئیں کے مرغولوں میں سرلا دیوی کی ڈبڈباہٹیں ابھر رہی تھیں' وہ ابھی تک اپنے نصیب کو کوس رہی تھیں۔ لکڑیوں نے بھی تک آگ نہیں پکڑی تھی۔

"ماتا جی۔ ماتا جی۔" شکتی بری طرح چیخنے لگی۔

"کیوں کیا ہوا کیا ماں مر گئی تیری۔ سرلا دیوی جھلا کر بولی۔ کیوں چیخنے جا رہی ہے۔"

"ماتا جی۔ بھگوان کی سوگند ماتا جی' وہی آواز..... پھر وہی آواز....." شکتی نے سرلا دیوی کا بازو پکڑ لیا۔

"ارے ارے ہتھنی سنبھال خود کو' چولہے میں جھونکے گی مجھے جھونک دے' جھونک دے' پاپ کٹ جائے گا۔ جان تو چھوٹے گی میری۔ کیا موت پڑ گئی تجھ پر' کیا بک رہی ہے۔"

"مایا کی آواز ماتا جی' جیسے سونے کے سکے چھنک رہے ہوں' چکی کے پاس' آؤ سنو' خود آ کر سنو۔" شکتی خوفزدہ لہجے میں بولی۔

یہ اطلاع سرلا دیوی کے لئے بھی قابل توجہ تھی وہ خود بھی یہ آواز سن چکی تھی..... اور دل مسوس کر رہ جاتی تھیں۔ کاش۔ کاش یہ مایا انہیں مل جائے' وارے نیارے ہو جائیں۔ لیکن اس کی مانگ کہاں سے پوری ہوتی۔

پہلا بیٹا۔ پہلا بیٹا مجھے دے دو' مجھے نکال لو' کئی بار عالم خواب میں وہ یہ الفاظ سن چکی تھی۔ گھر کے مختلف کونوں میں مایا چھنکنے کی آوازیں وہ کئی بار سن چکی تھی' یہ آوازیں اکثر و بیشتر ابھرتی رہتی تھیں۔ لیکن اول تو یہ کہ سرلا دیوی کا پہلا بیٹا ہی نہیں تھا۔ بیٹے کی آرزو میں انہیں چھ بیٹیاں بھگتنی پڑ رہی تھیں..... اور پھر اگر بیٹا ہوتا تو....."

ایک ماں کے لئے یہ بہت مشکل کام تھا کہ وہ دولت کے حصول کے لئے

بیٹے کی قربانی دے دیتی۔ لیکن یہ آواز مایا کی آواز ان کے لئے بہت دلکش تھی سونے کے سفید سکے ایک آبشار کی شکل میں ان کو اپنی نگاہوں کے سامنے گر۔ ہوئے محسوس ہوتے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے ان کے بدن میں ہولے ہو۔ گدگدیاں ہو رہی ہوں۔

سرلا دیوی ایک لمحے کے لئے کھو سی گئیں۔ پھر ایک دم ہی سنبھل گئی او بولیں۔

"تو میں کیا کروں آواز آ رہی ہے تو آنے دے، ہم کوئی اس مایا کو حاصل کر سکتے ہیں۔" انہوں نے اداس لہجے میں کہا۔

"مگر ماتا جی، میں اب چکی کے پاس نہیں جاؤں گی۔" شکتی نے خوفزدہ لہ میں کہا اور آنکھیں ملنے لگی، رسوئی میں دھواں بھرتا جا رہا تھا۔

"کیوں نہیں جائے گی۔ آٹا پس گیا کیا۔"

"ابھی کہاں۔"

"ہوں تو یوں کہہ۔ یہ مایا کی آواز اس لئے سنائی دی تھی تجھے چل چل پیس جلدی سے۔ پھر اسے گوندھنا بھی ہے۔ چل جلدی کر۔" سرلا دیوی نے جل ہوئی لکڑی اٹھالی۔

"بھگوان کی سوگند ماتا جی، میں ڈر کے مارے مر جاؤں گی، تم میرے سا چلو، میں آٹا پیسنے سے منع نہیں کرتی۔" شکتی نے کہا۔

"اور آگ کون جلائے گا۔"

"یوں کرو ماتا جی، چولہا میں جلائے دیتی ہوں۔ تھوڑا سا آٹا رہ گیا ہے وہ پیس لو۔" شکتی نے منت کرتے ہوئے کہا اور سرلا دیوی بکتی جھکتی چکی کی طرف چلی گئیں۔

پیڑھی پر بیٹھ کر انہوں نے کول ڈالے اور چکی کی آواز پھر ابھرنے لگی لیکن اس کے ساتھ ہی سنہرے سکے پھر چھنکنے لگے تھے۔ سرلا دیوی نے خوفزدہ انداز میں



زور زور سے چلانی شروع کر دی۔ وہ اس آواز کو دبا دینا چاہتی تھیں لیکن ے سکے چھنکتے رہے اور پھر ایک آواز ان کے کانوں میں ابھری۔

"مجھے نکال لو۔ مجھے نکال لو۔ پہلا بیٹا بھینٹ کر دو مجھے، مجھے نکال لو۔"

"سچ ہی کہا ہے سیانوں نے مایا اندھی ہوتی ہے۔" سرلا دیوی چلبلا کر ۔ "ارے باؤلی میرے بیٹا ہی کہاں ہے جو تجھے دے دوں۔ دیا کرنی ہے تو خود ہر آ جا، ہمارے بھی دن پھر جائیں گے....." انہوں نے ٹھنڈی سانس لے کر اور اس کے ساتھ ہی آواز بند ہو گئی۔ سرلا دیوی دیر تک انتظار کرتی رہیں اور کوئی جواب نہ ملا تو زور زور سے چکی چلا کر آٹا پیسنے لگیں۔

❁❁❁

چھ بیٹیوں کی ماں تھیں اور بیٹیوں کی فکر انہیں کھائے جا رہی تھی' شکتی
طوفان بن چکی تھی۔ لیکن گھر میں کچھ بھی نہیں تھا..... کنہیا لال بے چارہ کمہار تھا۔
چکنی مٹی کے برتن چاک سے ابھارتا' بھٹی میں پکاتا اور گاؤں میں جا کر بیچ آتا'
تھوڑے سے پیسے حاصل ہوتے وہ کھانے پینے میں خرچ ہو جاتے کچھ بچتا تو کہاں
سے۔ آٹھ افراد تھے کھانے والے اور سوکھی روٹی بھی کنہیا لال کی آمدنی میں آٹھ
آدمیوں کا خرچ پورا نہیں کر پاتی تھی۔ بیٹیوں کی شادی کے لئے کہاں سے آتا۔ اس
لئے بے چاری سرلا دیوی بے حد چڑچڑی ہو گئی تھی۔ ہر وقت کسی نہ کسی سے لڑتی
جھگڑتی رہتی تھی۔ لیکن کنہیا لال ٹھنڈی طبیعت کا مالک تھا' پتنی کے دکھ کو بھی سمجھتا
تھا اور جانتا تھا کہ وہ دل کی بری نہیں' بس حالات کا شکار ہے' بیٹیاں ان باتوں سے
بے نیاز تھیں اور ماں کی عادت کی عادی ہو چکی تھیں۔

مایا کئی بار چھنک چکی تھی اور اس کی چھنک سرلا دیوی کے دل میں حسرت
پیدا کر دیتی تھی آج بھی سارا دن وہ اسی خیال میں ڈوبی رہی۔ رات کو جب کنہیا لال



گھر میں آیا اور اس نے آج کی کمائی سرلا دیوی کے ہاتھ پر رکھ دی تو خلاف توقع
سرلا دیوی نے ناک بھوں چڑھا کر گڑبڑ نہیں کی بلکہ پرخیال انداز میں شوہر کو دیکھتی
رہی۔ کنہیا لال جو ان کی جلی کٹی کا عادی تھا سرلا دیوی کو خاموش دیکھ کر چونک پڑا۔

"کیا بات ہے شکتی کی ماں۔ طبیعت تو ٹھیک ہے تیری۔"

"ایں۔ ہاں ٹھیک ہے۔ چلو منہ ہاتھ دھو کر چوکے میں جاؤ' میں بھوجن
پروستی ہوں تمہارے لئے۔" سرلا دیوی نے کہا اور رسوئی کی طرف چل پڑیں۔

کنہیا لال تھوڑی دیر تک حیرت سے منہ پھاڑے کھڑا سرلا دیوی کو دیکھتا رہا
اور پھر تعجب سے گردن ہلاتا ہوا منہ دھونے چلا گیا۔ اس دوران پریما اس کے ساتھ
آ گئی۔ یہ اس کی دوسری بیٹی تھی جس کی عمر پندرہ سے تجاوز کر چکی تھی۔

"اری پریما سن۔"

"جی پتا جی۔"

"یہ تیری ماں کو کیا ہو گیا آج....."

"کچھ بھی نہیں پتا جی۔"

"چپ چپ سی کیوں ہے۔"

"گھر میں تو کوئی بات نہیں ہوئی پتا جی۔ تم خود پوچھ لو نا ماتا جی سے۔" پریما
نے کہا۔

"نا بابا نا۔ بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں ہے میری ہو گی
کوئی بات' میں نہ پوچھنے کا۔" کنہیا لال بیوی سے بہت ڈرتا تھا۔

"تم میرے لئے پیلی چوریاں نہیں لائے پتا جی' کب سے کہہ رہی ہوں تم
سے۔"

"اری پگلی لا دوں گا۔ میری تو بھگوان سے پرارتھنا ہے کہ میں سدا کے لئے
تم سب کے ہاتھوں میں چوڑیاں ڈال دوں' پر کیا کروں' ابھی بھگوان کی مرضی ہی
نہیں ہے۔" کنہیا لال نے افسردگی سے کہا۔ اور پھر بیوی کو آتے دیکھ کر جلدی سے

چوکے میں جا بیٹھا۔

رات کو اس نے ڈرتے ڈرتے سرلا دیوی کو مخاطب کیا۔ "کیوں ری آج بڑی چپ چپ ہے۔"

"ہاں شکتی کے پتا۔" بس سوچ میں ہوں۔

"پتی ہوں میں تیرا۔ لگن منڈپ میں پھیرے کئے ہیں تو نے میرے ساتھ کس سوچ میں ہے، مجھے نہیں بتائے گی۔" کنہیا لال نے پیار سے پوچھا۔

"آج صبح مایا پھر پکار رہی تھی، مجھے نکال لو، پہلا بیٹا بھینٹ کر دو۔" سرلا دیوی نے کہا اور کنہیا لال ہنس پڑا۔

"تیرے کان بج رہے ہوں گے پگلی۔ غریب کے گھر مایا کہاں سے آئی.... اور اگر ہے بھی تو ہمیں کیا..... اول تو بھگوان نے بیٹا دیا ہی نہیں اور اگر دے بھی دیتا تو بھاڑ میں جائے ایسی مایا جس کے لئے بیٹے کا جیون دان کرنا پڑے۔ اگر تیرے بیٹا ہوتا تو اس کی بھینٹ دے دیتی شکتی کی ماں!"

"بھگوان نہ کرے، سنسار کی ساری مایا بھینٹ کر دیتی اپنے پوت پر مگر شکتی کے پتا مایا کی آواز میں نے خود سنی ہے۔ اس گھر میں مایا ہے ضرور۔"

"ہو گی۔ پرکھوں سے سنا ہے کہ یہ سرکتی رہتی ہے، ہو سکتا ہے کہیں سے سرک کے آ گئی ہو!"

"صدیوں کی روایت ہے کہ بعض ایسے کنجوس دولت مند جو سنتان سے محروم ہوتے ہیں اور ان کے پاس بے پناہ دولت ہوتی ہے وہ اپنی دولت کو زمین میں گاڑ کر اس پر آٹے کا ایک پتلا بٹھا دیتے ہیں۔ کالے علم والے جوگی اس پتلے پر منتر پڑھتے ہیں اور پہلی پورنماشی کو یہ پتلا ناگ بن جاتا ہے..... پھر یہ ناگ اس مایا کی حفاظت کرتا رہتا ہے اور جب مایا کو زمین میں دفن ہوئے سو سال گزر جاتے ہیں تو مایا زمین سے باہر آنے کے لئے بے چین ہو جاتی ہے اور پکارتی ہے، مجھے نکال لو اور اپنا پہلا بیٹا بھینٹ کر دو..... اور اگر کوئی یہ بھینٹ کرنے کو تیار ہو جائے تو مایا کا ناگ



بن سے باہر سن کر اس کے بیٹے کو ڈس لیتا ہے اور مایا زمین سے باہر آ جاتی ہے۔

یہ جادو منتروں کی بات ہے اس کے بارے میں مجھے اتنا ہی معلوم ہے۔

"پر شکتی کے پتا اس سے اس دولت مند کو کیا ملتا ہے۔" سرلا دیوی تفکر ے بولی۔

"بھگوان جانے۔ پرکھوں کی کہی باتیں ہیں۔ جو سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہیں ت سی باتیں ایسی ہووے ہیں شکتی کی ماں جن کی وجہ شاید ہی کسی کو معلوم ہو۔ پر تو ن کی طرف توجہ نہ دیا کر۔ بس یہ سوچا کر کہ بھگوان ہی سب کا رکھوالا ہے وہی ب کو پالنے والا ہے، وہی دیتا ہے شکتی کی ماں ہم سوچتے ہیں ہم کچھ نہیں کر سکتے، یا کہ ہمارے ہاتھ پاؤں بے کار ہیں۔ یا ہم سوچتے ہیں کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس ں ایسی کوئی گنجائش نہیں جس سے کبھی ہمیں مال مل سکے اور ہماری پریشانیاں دور سکیں پر بھگوان کچھ اور سوچ رہا ہوتا ہے، ہم کچھ سوچتے ہیں اور بھگوان کچھ اور ب وہ دینے پر آتا ہے تو ایسے دیتا ہے کہ منش سوچتا ہی رہ جاتا ہے۔

"تم ٹھیک کہتے ہو شکتی کے پتا۔ یہ ہماری طرف سے تو بھگوان نے آنکھیں د کر لی ہیں، چھ بیٹیاں ہیں، دو تو بالکل ہی جوان ہیں باقی ان کا مقابلہ کرنے کے لئے وڑ رہی ہیں۔ تمہاری کمائی سے تو کچھ بچتا ہی نہیں ہے۔ بھگوان جانے کیسے پوری ے گی، کیسے ان کے بیاہ ہوں گے، کیسے یہ اپنے گھروں کو جائیں گی۔" سرلا دیوی نے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں پکڑ لیا۔ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئی تھیں۔

کنہیا لال کا بھی دل بھر آیا، وہ سرلا دیوی کی فکروں سے آگاہ تھا۔ لیکن پھر ی اس نے اپنی پتنی کا غم ہلکا کرنے کے لئے حوصلہ کیا اور بولا۔

"یہ سارے کام بھگوان کے ہیں شکتی کی ماں۔ میں اور تو کچھ نہیں کر سکتے، ور جو کام بھگوان کے ہوتے ہیں، ان کے بارے میں تو کیوں پریشان ہوتی ہے ری۔"

"لو یہ خوب کہی تم نے۔ بھگوان نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں اور میں بھی

پریشان نہ ہوں۔ ارے تمہاری یہی باتیں تو میرا دل جلاتی ہیں۔"

"ارے ارے ہوش میں آ گئی تو۔ کنہیا لال نے چارپائی پر لیٹ کر کھیر جلدی سے اپنے منہ پر ڈال لیا اور سرلا دیوی نجانے کب تک بکتی جھکتی رہی اب ر اپنے پرانے موڈ میں آ چکی تھیں۔ لیکن کنہیا لال مزے سے خراٹے لے رہا تھا۔ سرا دیوی کی آواز اسے لوری سی معلوم دیتی تھی۔ وہ مزے سے سوتا رہا اور سرلا دیو؛ بے چاری خود ہی تھک ہار کر خاموش ہو گئی۔

❀❀❀



دوپہر ڈھل چکی تھی۔ شام کو پینٹھ لگتی تھی' کنہیا لال اپنے برتن گدھے پر لاد کر کو پینٹھ پہنچ گیا تھا اور اپنی مخصوص جگہ بیٹھ گیا تھا۔

قرب و جوار گاؤں دیہات کے لوگ خرید و فروخت کے لئے آنے شروع ہو گئے' کنہیا لال کی نگاہیں اپنی طرف اٹھنے والے قدموں پر لگی ہوئی تھیں لیکن یوں لگتا تھا کہ جیسے آج کسی کو مٹی کی ہانڈیوں اور برتنوں کی ضرورت نہیں تھی ایک بھی گاہک اس طرف نہیں آیا تھا۔ گذرتے ہوئے لمحات کے ساتھ کنہیا لال کی آنکھوں میں مایوسی تیرتی جا رہی تھی۔ آج تو ایک بھی گاہک نہیں آیا۔ ہے بھگوان ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔ آج کچھ نہ بکے گا؟

بڑی پریشانی ہو جائے گی..... شکتی کی ماں تو ویسے ہی پریشان رہتی ہے' وہ سوچتا رہا لیکن کچھ نہ ہوا۔ سورج غروب ہو گیا' لوگ اٹھنے لگے' رات ہونے سے پہلے گھروں کی طرف پلٹنا پڑتا تھا۔ کیونکہ راستے میں جنگلی جانوروں کا خطرہ بھی رہتا تھا۔ اکثر حادثات ہوتے رہتے تھے۔ آبادیوں کے درمیانی راستے جنگلات پر مشتمل

تھے اور ان جنگلوں میں کبھی کبھی لگڑ بھگے اور تیندوے نکل آتے تھے اور دیہاتیوں کو ہلاک یا زخمی کر دیتے تھے۔

کنہیا لال کی جیب میں آج ایک پیسہ نہ تھا۔ اس نے افسردگی سے برتن سمیٹے اور گدھے پر بار کرنے لگا۔ سارے کے سارے برتن جوں کے توں تھے وہ واپس چل پڑا۔ دل بہت اداس تھا۔ شام جھکتی چلی آ رہی تھی۔ گاؤں کے راستے میں ایک برساتی ندی پڑتی تھی۔ جس کے ساتھ ساتھ جنگلی جھنڈ پھیلے ہوئے تھے اور اکثر لگڑ بھگے ان جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ جاتے تھے۔ کنہیا لال نا جانے کن سوچوں میں گم آگے بڑھتا رہا۔ اور ندی کے پاس پہنچ گیا۔ ندی کے بیچوں بیچ پہنچا تو اچانک اس کی نگاہ دوسرے کنارے پر اٹھ گئی۔ دوسرے لمحے اس کا دل دھک سے ہو گیا۔ اس کے سیدھ میں ایک جھاڑ سا کھڑا ہوا تھا اور اس کے پاس کوئی چیز متحرک نظر آ رہی تھی۔

کنہیا لال کا چہرہ خوف سے بگڑ گیا تھا...... وہ ٹھٹھک کر کھڑا ہو گیا۔ آج تو تقدیر کچھ اور ہی کہہ رہی ہے۔ مال بھی نہیں بکا اور شاید....... شاید کچھ شامت بھی آئی ہے۔ ممکن ہے ہلنے والی شے لگڑ بھگا ہو۔

چند ساعت وہ اپنی جگہ کھڑا خوف بھری نگاہوں سے اس شے کو دیکھتا رہا۔ پھر بھگوان کا نام لے کر آگے بڑھا۔ یہاں کھڑے کھڑے رات بھی تو نہیں کی جا سکتی تھی۔ ڈرتے ڈرتے وہ کچھ اور آگے بڑھا اور ندی عبور کر گیا۔ پھر اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"ارے رام رام..... یہ کیا۔"

جھاڑ کے پاس کھڑی ہوئی شے کوئی لگڑ بھگا یا جنگلی جانور نہیں تھا۔ بلکہ تی ساڑھے تین سال کی ایک انتہائی خوبصورت اور معصوم بچی تھی جس کے لمبے لمبے اور سنہری بال اس کی ٹانگوں تک جھول رہے تھے۔ صاف ستھرے کپڑے پہنے ہو تھی اور دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھے رو رہی تھی.....

"کنہیا لال بھاگ کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ بے اختیار اس کے ہاتھ بچی ک



رف بڑھے صاحب اولاد تھا۔ تنہا اور بے بس بچی سے اسے بڑا پیار محسوس ہوا' ن دوسرے لمحے اس کے دل میں ایک خوف بھرا احساس جاگ اٹھا۔"

"چڑیل یا پھل پیری تو نہیں ہے بھائی۔" شام کا وقت ہے اور..... ایسے تت میں یہ بھی نکل آویں ہیں۔" اس نے بچی کے پاؤں دیکھے چھوٹے چھوٹے بصورت سفید پاؤں جن کے پنجے سامنے ہی تھے۔

"نا نا..... چڑیل نہیں ہے..... اے پھر کس کی چھوری ہے ری تو' ادھر ہاں سے نکل آئی..... اری بول رات ہو رہی ہے..... کوئی لگڑ بگا نکل آیا تو منہ ں دبا کر لے جائے گا۔"

لیکن بچی روتی رہی..... "نا نا بیٹا رو نہیں..... رو نہیں میری بچی..... سمجھ لیا۔ پینٹھ میں آئی ہو گی اپنے کسی رشتہ دار کے ساتھ۔ اور نکل آئی اس طرف۔ ب بول کیا کروں؟ واپس گیا تو رات ہو جائے گی۔"

"رات..... اور پھر..... نا رے نا..... چل آج تو میری مہمان بن جا۔ اب یہاں تو لگے گی پینٹھ تیسرے دن۔ تین دن کے بعد ہی لاؤں گا تجھے۔ چل بیٹھ جا اس سرے پر....."

اس نے بچی کو گدھے کی پیٹھ پر برتنوں کے پیچھے بٹھا دیا اور تیز رفتاری سے چل پڑا..... لیکن اب اس کے دماغ میں سرلا دیوی کلبلا رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ گھر پہنچ کر اسے ایک بھیانک صورتحال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لیکن اس کے باوجود وہ سرلا دیوی کے خوف کے باعث بچی کو ویرانے میں نہیں چھوڑ سکتا تھا' چنانچہ بھگوان کا نام لے کر وہ گھر پہنچ گیا۔

سرلا دیوی کا پارہ چڑھ گیا..... "اب تین دن اسے بھی کھلاؤ گے' سونے کی اینٹیں گڑی ہوئی ہیں گھر میں' میں کہتی ہوں آج پینٹھ گئے بھی تھے یا نہیں کہیں او چلے گئے تھے اور وہاں سے یہ سوغات لائے ہو....."

"ارے ارے پاگل ہوئی ہے کیا شکتی کی ماں۔ تجھے بتائے بنا کہیں گیا ہوں آج تک!"

"بس بھگوان کی لیلا ہے۔ آج کوئی گاہک ہی نہیں آیا۔ پر تو چنتا مت کر کل کی پینٹھ میں برتنوں کے دو گھان لے جاؤں گا۔ اور بھگوان نے چاہا تو بیچ کر ہی آؤں گا۔" کنہیا لال نے کہا۔ لیکن سرلا دیوی کا منہ سیدھا نہ ہوا۔ وہ بڑبڑاتی ہی رہی۔ البتہ تمام لڑکیوں کے ہاتھ یہ کھلونا آگیا تھا۔

بچی کی خوبصورتی کو وہ سب بہت پیار سے دیکھ رہی تھیں۔ اس کے لمبے سنہرے بال خاص طور سے سب کی توجہ کے مرکز تھے۔ وہ اس پر طرح طرح کے تبصرے کر رہی تھیں۔ شکتی کی تو اس پر جان ہی جا رہی تھی وہ اس کے ایک ایک



عضو کو چوم رہی تھی..... اسے بنا سنوار رہی تھی' اور کسی کو اس کے قریب نہیں آنے دے رہی تھی۔

"ہائے رام دیدی..... پتا جی دو دن کے بعد اسے لے جائیں گے۔ کیسی سندر ہے یہ دیدی۔ تم پتا جی سے منع کر دو نا کہ وہ اسے نہ لے جائیں ہم اسے اپنے ساتھ رکھیں گے....."

"یہ بولتی کیوں نہیں دیدی۔" پیاری پیاری آنکھوں سے سب کو دیکھے جا رہی ہے۔ اری کچھ بول..... تیرا نام کیا ہے۔" شکتی کی تیسری بہن ودیا نے کہا.....؟ لیکن بس بچی انہیں دیکھے جا رہی تھی۔ اب تک کسی نے اس کی آواز نہیں سنی تھی۔

کنہیا لال بھٹی میں برتن لگانے چلا گیا۔ رات کو شکتی نے اپنے ساتھ ہی بچی کو کھانا کھلایا اور پھر اسے اپنے ساتھ ہی سلا لیا۔ ساری بچیاں نئے مہمان کی خوشی میں اس کے ساتھ ہی سوئی تھیں۔ دوسرے دن بھی وہ کھلونا سب کے لئے دلچسپی کا سامان بنا رہا سوائے سرلا دیوی کے۔ انہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

دوپہر کو کنہیا لال حسب معمول برتن لے کر چل پڑا۔

گاؤں دیہاتوں میں باقاعدہ بازار نہیں ہوتے بس ہفتے میں ایک دن مختلف دیہاتوں میں کسی ایک مخصوص مقام پر سامان فروخت کرنے والے عارضی بازار لگا لیتے ہیں جسے "پینٹھ" کہا جاتا ہے۔ یہ پینٹھ ہفتے کے مختلف دنوں میں الگ الگ دیہاتوں میں لگتی تھی۔ اس طرح باقاعدہ کاروبار کرنے والوں کو روزانہ کہیں نہ کہیں موقع مل جاتا تھا۔

کنہیا لال نے دوکان سجائی اور بیٹھ گیا۔ پتنی کے خوف سے دو دن کا مال لے آیا تھا مگر جانتا تھا کہ اتنی بکری کہاں ہو گی۔ آج بھی یہی صورتحال رہی۔ گھنٹوں ہو گئے لیکن کوئی گاہک نہ آیا شام ہو گئی اور کنہیا لال بے چارہ روہانسا ہو گیا۔ نہ جانے کیا ہو گیا۔ دھندے کو اس نے سستی فروخت کے لئے آوازیں بھی لگائیں۔ لیکن

کوئی اس طرف متوجہ نہیں ہوا یہاں تک شام ہو گئی اس کے ہاتھ پاؤں بے جان
رہے تھے۔ تھکے تھکے انداز میں اس نے برتن گدھے پر لادے اور واپس چل پڑ
دل میں بہت سے خیالات تھے۔ طبیعت سخت پریشان تھی۔ آج لنگڑ بھگا تک یاد نہ
آیا۔ یہاں تک کہ وہ ندی کے پاس پہنچ گیا۔ ندی پار کی ہی تھی کہ اس نے
آدمیوں کو دیکھا جو اس کی طرف آ رہے تھے دونوں بوڑھے تھے اور عجیب
لباسوں میں تھے۔ پھر ان میں سے ایک نے اسے پکارا۔

"ارے کنہیا لال رک تو سہی' بھائی کہاں جا رہا ہے۔" کنہیا لال رک گ
دونوں اس کے پاس پہنچ گئے۔ ان کے جسموں سے عجیب سی خوشبو اٹھ رہی تھ

"مال بیچو گے کیا؟" اس نے پوچھا جس نے کنہیا کو آواز دی تھی۔

"ایں..... خریدو گے بھائی۔ سستے لگا دوں گا۔ کچھ چاہیے تو بولو۔" کنہ
لال دھڑکتے دل سے بولا۔

"ارے ہاں..... کیوں نہیں خریدیں گے..... بول سب کا کیا لے گا؟"

"سب خریدو گے۔"

"خریدیں گے۔"

"تو بھیا بیس روپے دے دو سب کے..... لے جاؤ....." کنہیا لال بولا۔

"پچاس روپے میں بیچو تو لے لیں گے دوسرا بولا۔"

"مم۔ مگر میں تو بیس روپے مانگ رہا ہوں۔ کنہیا لال بولا۔"

"پچاس روپے لو تو مال اتار دو گدھے سے نہیں تو اپنا راستہ ناپو۔ ب
رکھیں ورنہ جائیں....."

دوسرے آدمی نے کہا اور کنہیا پریشانی سے انہیں دیکھنے لگا۔ اس نے
لمحے کے لئے سوچا کہ شاید یہ دونوں مذاق کر رہے ہیں۔ لیکن اس وقت دوسرا
اٹھا۔

"اس میں مذاق کی کیا بات ہے۔ مال اتار دو اور یہ لو پیسے۔" اس



پچاس روپے کے نوٹ نکال کر کنہیا کے ہاتھ میں دے دیئے۔ اور کنہیا کے ہاتھ پاؤں
پھول گئے اس نے جلدی جلدی سارے برتن اتار دیئے تھے۔

"لمبا دھندہ کرو گے کنہیا؟" اس شخص نے پوچھا۔

"کیوں نہیں کریں گے بھیا۔ جتنا چاہو مال بنا دیں۔"

"جتنا چاہو مال بناؤ اور سارے کا سارا مال لے کر اسی جگہ آ جایا کرو۔ نقد
پیسے ملیں گے اور اچھے بھاؤ میں مال خریدیں گے۔"

"ٹھیک ہے بھگوان تمہارا بھلا کرے۔ دوکان ہے کیا تمہاری؟ تم جہاں کہو
مال پہنچا دیا کروں....." کنہیا کے دل میں مسرت کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔

"بس اسی جگہ ہمارا کوئی نہ کوئی آدمی تمہیں مل جایا کرے گا۔ اس نے
جواب دیا اور بولا۔

"جاؤ اب' بس اب جلدی سے چلے جاؤ' ورنہ رات زیادہ ہو جائے گی۔"

کنہیا لال آج جب گھر میں گھسا تو اس کا دل خوشی سے بلیوں اچھل رہا تھا گدھے کو
خالی دیکھ کر سرلا دیوی کی نگاہوں میں سکون اترا..... اور جب کنہیا نے پچاس کا نوٹ
ہاتھ پر رکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"پ..... پچاس روپے' یہ..... یہ کہاں سے آئے؟"

"اری مال بیچا ہے اور کہاں سے آئے۔"

بڑے اچھے گاہک مل گئے تھے اور یوں سمجھ شکتی کی ماں اب ہمارے دن پھر
گئے۔ میں نے تجھ سے کہا تھا نا کہ بھگوان جب دینے پر آتا ہے تو ایسی جگہوں سے دیتا
ہے جس کے بارے میں منش سوچ بھی نہیں سکتا۔ ایک لمبا گاہک مل گیا ہے۔ اب
جتنا مال بنے گا۔ اتنا روزانہ بک جایا کرے گا۔ اور نقد پیسے ملا کریں گے نقد۔ پر بڑے
عجیب گاہک تھے شکتی کی ماں' میں نے ان سے پورے مال کے بیس روپے مانگے.....
بڑی پریشانی کی بات تھی۔ آج بھی مال نہیں بکا تھا..... میں مایوسی سے واپس آ رہا تھا
کہ دونوں راستے میں مل گئے۔ میں نے ان سے بیس روپے مانگے تو کہنے لگے۔

"پچاس روپے دیں گے۔ لینا ہے تو لو۔ ورنہ اپنا مال واپس لے جاؤ۔" اب تو خود ہی بتا کہ بیس روپے کے مال کے کوئی پچاس روپے دے اور اس طرح دے جیسے کوئی کمی کرا رہا ہو۔ مگر ایک اور حیرانی کی بات ہے۔

"کیا....." سرلا دیوی نے پوچھا۔

"حیرانی کی بات یہ ہے کہ شکتی کی ماں جب میں مال بیچ رہا تھا اور وہ بیس روپے کے بجائے پچاس روپے کہہ رہے تھے تو میں نے سوچا کہ شاید یہ لوگ مذاق کر رہے ہیں..... اور جب میں نے یہ بات سوچی تو ان میں سے ایک فوراً ہی بول پڑا.....

"اس میں مذاق کی کیا بات ہے' یہ لو پیسے اور مال اتارو۔" بڑے عجیب لوگ تھے۔ نجانے کون ہیں؟ کونسے دیہات سے آئے ہیں۔ اس سے پہلے تو کبھی نہیں دیکھا۔

"تمہیں ان باتوں سے کیا غرض" جب گاہک اچھا مل گیا۔ تو پھر مزے کرو۔ مال بناؤ۔"

"ہاں تو جلدی مجھے کھانے پینے کو لا دے..... میں ابھی سے کام شروع کئے دیتا ہوں..... بھٹی سلگا دوں اور جو سارا مال پڑا ہے وہ پکا دوں"" کنہیا لال نے کہا۔ پھر کچھ یاد کر کے بولا۔

"ارے وہ کہاں ہے؟"

"کون؟" سرلا دیوی نے کسی قدر ناک چڑھا کر کہا۔

"ارے وہی سندر سی بچی' وہی بھگوان کی دین..... ارے کہاں ہے وہ۔"

"لڑکیوں کے ساتھ ہو گی اور کہاں ہو گی' سارا دن کمبخت ماریاں اسی میں الجھی رہتی ہیں اب کے لے جاؤ گے تم اسے یہاں سے۔"

"ارے ارے شکتی کی ماں' کیسی کٹھور ہے تو' کیسا پتھر دل ہے تیرا' اتنی سندر بچی کے لئے تو ایسی باتیں کر رہی ہے۔"



"لو اور سنو۔ سندر بچی ہے تو اپنے ماتا پتا کی ہو گی۔ ہمیں اس سے کیا؟ تم سے لے جا کر اس کے ماتا پتا کے حوالے کر دو۔ ویسے بھی کسی اور کے بچے کو رکھنا چھی بات تھوڑی ہے۔ نجانے کس بے چاری کی ممتا ہو گی اور اس کا اس کی غیر موجودگی میں کیا حال ہو گا؟"

"ہاں یہ تو تو ٹھیک کہہ رہی ہے۔ پر اب میں کیا کروں' تو خود ہی بتا' اگر مجھے پتا ہوتا تو میں خود ہی اسے اس کے گھر پہنچا دیتا۔ کچھ بولی وہ؟"

"بولتی ہی نہیں ہے..... مجھے تو وہ گونگی لگے ہے۔" سرلا دیوی نے کہا۔

"بچیوں سے بھی کچھ نہیں بولی۔"

"نہیں..... وہ یہی بتا رہی تھیں کہ انہوں نے بہت کوشش کی مگر وہ کچھ لتی ہی نہیں ہے۔"

"خیر ٹھیک ہے۔ کنہیا لال نے کہا..... دوسرا دن بھی گزر گیا' کنہیا لال نے و مال بنایا تھا۔ وہ اسے لے کر چلا گیا اور ندی کے کنارے پہنچ کر واپس آ گیا۔ اس بار ہ دونوں نہیں ملے تھے۔ لیکن ایک جھاڑ کے پاس ان کا آدمی کھڑا ہوا تھا اور کل جو ل کنہیا لال نے یہاں اتارا تھا اس کا نام و نشان نہیں تھا۔ اس آدمی نے کنہیا لال کو یں روپے دیئے اور کنہیا لال پندرہ سولہ روپے کا مال تیس روپے میں بیچ کر خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ دیر بھی نہیں لگی تھی پینٹھ میں بیٹھ کر آوازیں بھی نہیں لگانی پڑی یں اور سودا بھی کھرا ہو گیا تھا۔ تیسرا دن پینٹھ کا دن تھا۔ اس دن اس نے بچی کو اتھ ہی گدھے پر بٹھا لیا اور چل پڑا۔ اس کا خیال تھا کہ مال ان لوگوں کو دے کر ینٹھ چلا جائے گا..... فرصت بھی ہو گی اور سب لوگوں سے معلوم بھی کرے گا کہ بچی کس کی ہے؟ ندی کے کنارے جب وہ پہنچا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ کنہیا لال بے رہ حیران پریشان کھڑا رہا' بڑی مایوسی ہوئی تھی اسے' نجانے ان میں سے کوئی آج یوں نہیں آیا تھا۔

دیر تک وہ پریشان سوچتا رہا۔ پھر نجانے اس کے دل میں کیا آئی کہ اس نے

سارے برتن اس جگہ اتار دیئے جہاں وہ برتن اتارتا تھا اور پینٹھ میں گھومتا پھرا۔
کسی نے اس بچی پر دعویٰ نہیں کیا تھا۔ کنہیا لال پریشان ہو گیا۔ اب کیا کروں؟ اب ا
ہی بتا بیٹا کہاں سے تیرے ماتا پتا کے بارے میں معلوم کروں۔ مجھے تو کوئی چنتا نہیں
اس کے سوا کہ تیرے ماتا پتا تیری وجہ سے پریشان نہ ہو رہے ہوں۔" چل بھگوان
مالک ہے' سب سے کہہ دیا ہے اگر کوئی تجھے ڈھونڈتا ہوا آ گیا تو ٹھیک ہے' اور پھر
بھگوان کی مرضی.....

وہ واپس چل پڑا۔ جس جگہ مال اتارا تھا وہاں اب مال موجود نہیں تھا ہا
ایک پتھر کے نیچے تین نوٹ جھانک رہے تھے' کنہیا لال کی باچھیں خوشی سے کھ
گئیں۔ اس نے نوٹ اٹھائے اور آہستہ سے بولا۔

"واہ رے واہ۔ ساہوکارو' تم نے کمال کر دیا۔

گھر پہنچا تو حالات کافی خراب تھے۔ پہلی ملاقات سرلا دیوی سے ہوئی تھی
کوئی کام کرتے کرتے رک گئی۔ اس کی آنکھیں لڑکی کو گھور رہی تھیں۔ "وا
کیوں لے آئے اسے".....؟

"ارے کوئی ہے ہی نہیں اس کا۔ کوئی تو اس کا ایسا ہوتا جو اسے پو
آتا۔"

"تو اب کیا کرو گے"؟

"کھوجتا رہوں گا اس کے گھر والوں کو..... مل گئے تو ٹھیک ہے' ن
تو....."

"نہیں تو.....؟" سرلا دیوی غصے سے بولی۔

"اری جہاں چھ ہیں وہاں سات ہو جائیں گی۔ کونسی مصیبت آ جائے
اب تو بھگوان نے ہمارا ہاتھ بھی تھام لیا ہے۔ ایسے لوگ مل گئے ہیں کہ تجھے کیا
یہ بھی پل جائے گی ان لوگوں کے ساتھ۔

"اناتھ آشرم کھول لو لڑکیوں کا۔ چھ ہی مسٹنڈیاں جان کی لاگو ہ



تو یں بھی پال لو۔ ارے میں کہتی ہوں تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔ سٹھیا گئے ہو اپنی
ری پڑ رہی ہیں اور دوسروں کی لا لا کر پالو۔ میں کہے دیتی ہوں کہیں جا کر اسے
وڑ آؤ۔ جہاں سے لائے ہو وہیں جھونک آؤ جا کے اسے میں کبھی نہیں رکھوں گی
ے۔ چھ چھ سنا رہی ہیں ان کے لئے بر نہیں جڑا' بر جڑ جائے تو جیب میں بھی کچھ
ں ہے کہ انہیں بیاہ دیا جائے۔ اب اس کے لئے بھی جوڑو۔

ندی میں بہا دو ماتا جی۔ بھٹی میں جلا دو ہم دونوں کو۔ اور جو جوان ہوتی
ئے اسے اسی طرح ٹھکانے لگا دو۔ کوئی پریشانی نہ ہو گی تمہیں' برآمدے سے شکتی
آواز سنائی دی..... اور کنہیا لال کی نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں شکتی کی آنکھیں
رخ اور سوجھی ہوئی تھیں۔ لگتا تھا وہ روتی رہی تھی۔

"ارے رے رے۔ کیا ہو گیا میری بٹیا کو۔ کیا ہوا اسے شکتی کی ماں؟" کنہیا
ل نے پریشان ہو کر پوچھا۔ شکتی جیسی خوش مزاج اور ہر وقت ہنسنے والی لڑکی کو
وتے دیکھ کر وہ سخت پریشان ہو گیا تھا۔

"ہو کیا گیا تھا..... ماتا پھٹ رہی تھی..... وہ چلی گئی تھی تو رو رہی
ی....."

"پر آ مری ہے پالو اب' پتا جی تحفہ لے آئے ہیں تمہارے لئے' باہر سے
ی لائے تو لڑکی۔" کوئی لڑکا ہوتا تو بات بھی تھی۔"

شکتی نے جو لڑکی کو دیکھا تو رونا دھونا بھول گئی۔ لپک کر اسے گود میں اٹھا لیا
ر اندر بھاگ گئی۔ سرلا دیوی بھی بلبلاتی ہوئی اندر گھس گئی تھی۔

یوں کنہیا لال کے پریوار میں ایک اور لڑکی کا اضافہ ہو گیا۔ اگر بات صرف
سرلا دیوی کی ہوتی تو سرلا دیوی تو اسے زندہ درگور کر دیتیں' لیکن یہاں اس کی چھ
ہ ہمدرد موجود تھیں' ساری لڑکیاں اسے چاہتی تھیں اور ان کی اس چاہت سے
سرلا دیوی کے تن بدن میں آگ لگتی رہتی تھی۔ لیکن کیا کرتیں' بیٹیوں سے دماغ
کھپانا بھی تو مشکل تھا' آخر انہی کی بیٹیاں تھیں..... لیکن انہیں اس لڑکی سے نفرت

تھی۔ جس چیز کو چھو لیتی، سرلا دیوی اسے ہاتھ بھی نہیں لگاتی تھیں۔ وہ کہتی تھیں۔

"ارے کنہیا لال جی سٹھیا گئے ہیں، میں تو ٹھیک ہوں، نجانے کون ہے ذات پات ہے اس کی، کس کو معلوم، یہ بھی تو ہو سکتا ہے کسی مسلمان کی بیٹی ہو، نا نا۔ میں اپنا دھرم بھشٹ نہیں کر سکتی۔ تم لوگ مرتی ہو اس پر مرو میں نہیں اسے م لگانے کی۔" وہ کہتیں اور لڑکیاں ان کی ان باتوں پر منہ بنا لیتی تھیں۔

گھر کے کام کاج میں تو سرلا دیوی اس سے کوئی کام نہیں لیتی تھیں ہاں با کے کاموں میں ان کی یہی خواہش رہتی تھی کہ یہ کم بخت مسٹنڈی جو کھانے کو آ ہے کچھ نہ کچھ کرتی رہے۔ چنانچہ انہوں نے اسے گوبر جمع کرنے پر لگا دیا سو ہوئے گوبر کے اپلے بھٹی میں بھی کام آتے تھے اور گھر کا چولہا جلانے میں بھی کا سوچ بچار کے بعد سرلا دیوی نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اس بچی کو گوبر چننے پر لگا دیا جا لڑکیاں گھر کے کام کاج تو خود ہی کر لیتی تھیں۔ لیکن ظاہر ہے سرلا دیوی نے اس بارے میں جو فیصلہ کیا تھا وہ سوچ سمجھ کر ہی کیا تھا۔ حالانکہ لڑکیوں نے اس پر کا احتجاج بھی کیا تھا۔

"ماتا جی اتنی چھوٹی سی تو ہے اور پھر یہ ہماری بستی کے راستوں سے واقف بھی نہیں ہے، یہ بے چاری کہاں سے گوبر چن کر لائے گی۔"

"ہائے ہائے چھوٹی تو تم بھی ہو۔ تم بھی تو آخر کام کرتی ہو، جتنی روٹیاں کھاتی ہو اتنی ہی روٹیاں یہ بھی کھاتی ہے۔ پھر اگر تھوڑا سا کام کر لے گی تو کیا جائے گا۔" سرلا دیوی نے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔

"ماتا جی اس کی جگہ میں چلی جاتی ہوں۔" سرلا دیوی کی سب سے چھو بیٹی نے کہا اور سرلا دیوی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ انہوں نے اپنی بیٹی کا ہا پکڑ کر گھسیٹا اور دو تھپڑ اس کے گال پر لگا دیئے وہ بے چاری روتی ہوئی ایک طرف چلی گئی۔ تب سرلا دیوی نے کہا۔

"دیکھ کیا رہی ہے، یہ اپلے ہیں نا۔ جانتی ہے۔" اور معصوم بچی نے اثبا



بں گردن ہلا دی۔

"تو پھر جا۔ سڑکوں پر جہاں بھی گوبر نظر آئے اٹھا کر لے آ۔ یہ بوری لے با۔ اور اپلے لے کر آئے تو اس کونے میں ڈال دیجیو۔" سرلا دیوی نے ایک جانب شارہ کیا اور بچی گردن ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

اس گھر میں آئے ہوئے اسے کافی دن ہو گئے تھے لیکن کسی نے اس کی آواز نہیں سنی تھی اور یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ گونگی ہے۔ اس بات پر تو شکتی اور دوسری بچیاں بہت دکھی ہوئی تھیں پر کیا کیا جاتا، اس کی یہ ادا بھی اپنا لی گئی تھی۔

حالانکہ شکتی کو تو یہ بات بے حد بری لگی تھی۔ اس نے سرلا دیوی سے کہا بھی تھا۔

"ماتا جی کیسی کٹھور بن گئی ہیں آپ۔ بھلا اس کے معصوم معصوم ہاتھ گوبر ٹھانے کے قابل ہیں۔"

لیکن نتیجے میں وہی۔ ماں بیٹیوں میں تو تکرار شروع ہو گئی، سرلا دیوی شکتی کو کوسنے لگیں اور شکتی بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئی۔ سرلا دیوی اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔

لیکن زیادہ دیر نہیں گذری تھی کہ وہ کسی کام سے باہر نکلیں، صحن میں بچھی ہوئی چارپائی پر وہ تنہا بیٹھی تھی۔ اس کے سنہری بال دھوپ میں چمک رہے تھے بھی سرلا دیوی کو اسے بھیجے ہوئے چند ہی منٹ گذرے تھے اس لئے دوبارہ اس کو یکھ کر وہ چراغ پا ہو گئیں۔

"ہوں، ارے تو گئی نہیں حرامخور، کلکنی، واپس آ مری کام نہیں ہوتا تجھ سے نامراد۔" سرلا دیوی دانت پیس کر اس کی جانب بڑھیں جی چاہ رہا تھا دو چار ہاتھ لگا دیں۔ لیکن اتفاقاً نگاہ اس کونے کی جانب اٹھ گئی جہاں اپلے پڑے ہوا کرتے تھے۔ دوسرے لمحے ان کا ہاتھ فضاء میں ساکت رہ گیا۔ قدم جہاں تھے وہیں جمے رہ گئے۔

کونے میں اپلوں کا بہت بڑا ڈھیر جمع تھا اتنے اپلے تھے کہ اگر دو چار آدمی انہیں جمع کر کے لاتے تو کم از کم انہیں اتنے اپلے جمع کرنے میں دو تین دن ضرور لگتے۔ اور مزے کی بات یہ تھی کہ یہ اپلے خود سرلا دیوی کے گھر مہینے بھر کے لئے کافی تھے۔ وہ ہکا بکا رہ گئیں۔ ان کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"ہے بھگوان اتنے اپلے۔ یہ اتنے سارے اپلے کہاں سے آئے.....؟ چند ساعت کے بعد ان کے منہ سے متحیرانہ انداز میں آواز نکلی۔ اسی وقت ان کی بڑی بیٹی شکتی اور دوسری بیٹی ودیا ان کے پاس پہنچ گئیں۔

"کیا ہوا ماتا جی۔ کیا بات ہے۔" انہوں نے سرلا دیوی کو اس طرح منہ پھاڑے دیکھا تو تعجب سے پوچھا۔ اور سرلا دیوی نے انگلی سے کونے کی جانب اشارہ کر دیا۔ دونوں لڑکیاں بھی حیران رہ گئی تھیں۔

"ارے یہ اتنے سارے اپلے کہاں سے آگئے۔"

"بھگوان جانے' بھگوان جانے۔ اسے بھیجا تھا نا اپلے چننے کے لئے۔" سرلا دیوی نے کہا۔

"مگر یہ اتنی جلدی اتنے سارے اپلے جمع کر لائی۔" شکتی حیرت سے بولی۔

لیکن سرلا دیوی خاموش کھڑی تھیں۔ نجانے کیوں ان کے دل میں خوف کا ایک ہلکا احساس جاگ اٹھا تھا۔ لیکن شکتی اور ودیا کے دل میں اس کے لئے محبت امنڈ آ تھی۔ وہ دونوں اس کے پاس پہنچ گئیں۔

"تم تم نے اتنے سارے اپلے کیسے جمع کئے۔ شکتی نے اس کے سر پر ہا رکھتے ہوئے پوچھا۔ اور وہ مسکراتی نگاہوں سے شکتی کو دیکھنے لگی۔ منہ سے تو ک بولتی ہی نہیں تھی جو جواب دیتی' بس ٹکر ٹکر دیکھتی رہی۔ شکتی نے پیار سے ا بازوؤں میں بھر لیا تھا۔

"اب تو تمہیں کوئی شکایت نہیں ہے ماتا جی۔" شکتی نے سرلا دیوی پوچھا۔



لیکن سرلا دیوی سب کچھ بھول گئی تھیں' وہ صرف یہ سوچ رہی تھیں کہ ر یہ اتنے سارے اپلے آئے کہاں سے۔ کون لایا ہے انہیں۔ انہیں اس لڑکی سے ے نامعلوم سا خوف محسوس ہونے لگا۔ وہ خاموش ہی رہیں اور شکتی اس لڑکی کو ے کر اندر چلی گئی۔

❀❀❀

سرلا دیوی کا خوف ابھی کم نہیں ہوا تھا کہ دوسرے دن پھر ایک نیا و
پیش آگیا۔

گاؤں کا ایک بدنام آدمی گھر میں گھس آیا۔ تیجا گاؤں بھر میں چور کی حیثۂ
سے مشہور تھا وہ کوئی کام نہیں کرتا تھا بس اچکا گیری کرتا تھا اور کئی بار گاؤں وا
اس کی مرمت کر چکے تھے کہیں سے کوئی چیز اس کے ہاتھ لگ جاتی تو وہ اسے بیچ
کر دارو پی لیتا تھا۔ کنہیا لال کے گھر میں بھی وہ کسی نیک نیت سے نہیں آیا ہو
پچھلی دیوار کود کر وہ گھر میں گھسا۔ اس وقت سب لوگ صحن میں تھے سوائے سنہ
بالوں والی اجنبی لڑکی کے جسے شکتی پیار سے چمپا کہنے لگی تھی۔

سنہرے بالوں والی چمپا کوٹھے سے نکل رہی تھی کہ تیجا کی نگاہ اس پر پڑی
دفعتاً" اس کے پورے بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ دوران خون رک گیا۔ چمپا
کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

تیجا نے پلٹ کر بھاگنے کی کوشش کی' لیکن وہ جنبش بھی نہیں کر سکا اس



بخنے کی کوشش کی تو آواز بند ہو گئی۔ ایک انوکھا خوف اس کے رگ و پے پر چھایا
ا تھا اور..... وہ کھڑی پرسکون نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

نجانے کس کام سے سرلا دیوی کوٹھے کی طرف آئیں اور تیجا کو دیکھ کر ان
ی چیخ نکل گئی اور دوسرے لمحے وہ تیجا پر ٹوٹ پڑیں۔

"تیرا ستیا ناس پاپی ہتھیارے۔ کیوں آیا تھا۔ بول کیوں آیا تھا یہاں۔"
ہوں نے ایک زور دار لات تیجا کی کمر پر رسید کی۔ اور وہ اوندھے منہ گر پڑا لیکن
نیچے گر کر اسے اس پراسرار قید سے آزادی مل گئی تھی۔ لیکن بدن ابھی تک سنسنا رہا
ا اور دوران خون بحال نہ ہوا تھا۔

ساری لڑکیاں اندر آگئیں اور تیجا کی تواضع ہونے لگی۔ "جتنا من چاہے مار
چاچی..... پر بھگوان کے لئے یہ بتا دو یہ بھتنی کون ہے؟" تیجا خوف زدہ لہجے میں
لا۔ سنہرے بالوں والی لڑکی کی طرف اس نے دوبارہ دیکھنے کی ہمت نہ کی۔

"تو یہاں کیوں آیا تھا پاپی۔ بول یہاں کیوں گھسا تھا۔"

"چوری کرنے چاچی..... پیسے نہیں تھے میرے پاس..... مگر..... مگر..... یہ
ون ہے چاچی..... اس نے مجھے پکڑ لیا..... مار لو..... جتنا من چاہے مار لو..... مگر
س بھتنی سے بچا لو..... تیجا خوف سے کانپ رہا تھا۔ سرلا دیوی اس بات کا کیا جواب
یتیں مار پیٹ کر اسے گھر سے نکال دیا۔ لیکن تیجا کی باتیں اب بھی ان کے ذہن میں
لردش کر رہی تھیں..... رات کو انہوں نے پتی سے دل کا حال کہا۔ "شکتی کے
ا۔ ایک بات کہوں؟" اور کنہیا لال اسے دیکھنے لگا..... "یہ لڑکی مجھے تو ٹھیک نہیں
ظر آتی۔" وہ رازداری سے بولیں۔

"کون..... چمپا؟"

"ہاں....."

"تو یہ کونسی نئی بات ہے..... تجھے کبھی وہ ٹھیک نظر آئی ہے۔" کنہیا لال
نمنا کر بولا.....

"تم سنو تو..... اس دن آنکھ جھپکتے اتنے اپلے کہاں سے جمع ہو گئے اور پھر آج تیجا کی جو حالت ہوئی وہ بھی دیکھنے والی تھی....."

"کہنا کیا چاہتی ہے""؟

"کوئی بات ضرور ہے شکتی کے پتا..... تمہیں وہ ایک ویرانے میں ملی تھی نا.....""؟

"ہاں..... ملی تھی۔"

"اور اس کا کوئی وارث بھی نہیں ملا۔"

"مل جاتا تو وہ تیرے چرنوں میں پڑی ہوتی۔"

"میری بات سمجھو۔ کہیں وہ کوئی بری آتما نہ ہو۔"

"رام..... رام..... رام..... کیسی عورت ہے تو۔ یہ نئی سوجھی ہے تجھے. شکتی کی ماں۔ کچھ بھگوان کا بھی خوف کر..... عورت تو دھرتی پر بھگوان کا روپ ہوتی ہے..... تو کیسی عورت ہے جو ایک معصوم بچی کے پیچھے ہی پڑ گئی ہے۔ وہ جو کچھ بھی ہے تیرے برے میں تو نہیں ہے۔ مجھے تو وہ لکشمی لگے ہے۔ جس دن سے اس گھر میں آئی ہے' دلدر دور ہو گئے۔ جتنا مال بنے ہے بک جائے ہے' دیکھ شکتی کی ماں۔ اس کی مخالفت چھوڑ دے۔ یہ ہمارے حق میں بہتر ہے۔" کنہیا لال نے کہا۔

"اے میں اسے کونسا کھائے جا رہی ہوں..... چولہے میں جائے..... کبھی پڑ گئی تو سر پر ہاتھ رکھ کر رونا کہے دوں ہوں....." سرلا دیوی نے جواب دیا۔ باہر بادل گرج رہے تھے۔ شام ہی سے آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا اور اب یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے بارش ہو جائے گی۔

"تیرے سر پر ہاتھ رکھ کر نہیں رؤنگا چنتا مت کر..... چل برتن اٹھوا لے بارش ہونے والی ہے۔"

باہر بجلی کڑک رہی تھی۔ دیکھتے ہی دیکھتے بارش ہونے لگی۔ لڑکیاں بہت دیر کی سو گئی تھیں۔ دونوں میاں بیوی نے برتن سنبھال کر رکھ دیئے اور پھر اندر گھس



ۓ..... تھوڑی دیر کے بعد کنہیال لال بھی خراٹے لینے لگا تھا لیکن ناجانے کیوں سرلا ی کو نیند نہیں آ رہی تھی..... وہ جاگتی رہیں..... پھر ان کی آنکھیں بھی بند ہونے ہیں..... اچانک اسکے کانوں میں ایک آہٹ ابھری۔ یہ یہ آہٹ بارش کی آواز ے الگ تھی۔ وہ چونک پڑی۔ تیجا کا خیال آ گیا تھا۔ وہ اٹھ کر کوٹھے سے باہر نکل ئیں۔ صحن میں جل تھل ہو رہا تھا ان کی نگاہیں صحن میں بھٹکنے لگیں..... ایک بار ی چمکی تو انہوں نے ایک عجیب منظر دیکھا..... چمپا آنگن کے بیچوں بیچ کھڑی ی.....اس کے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند تھے اور سب سے خوف زدہ چیز جو ہوں نے دیکھی وہ چمپا کے بال تھے' جو اس کے پیروں سے گزر کر زمین پر بکھرے ئے تھے..... اوز..... اور..... سرلا دیوی کے حلق سے ایک دہشت بھری چیخ ل گئی۔

ہواؤں کا شور بارش کی سنسناہٹ اور بادلوں کی گرج میں سرلا دیوی کی ب
چیخ اندر سوتے ہوئے لوگوں میں سے کسی نے نہیں سنی تھی۔ سرلا دیوی یہ دہشت
ناک منظر برداشت نہیں کر سکیں اور ہانپتی کانپتی پتی کی طرف دوڑیں۔ ان کے
سارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔
اعصاب اس طرح بے قابو ہو رہے تھے کہ وہ اندر پہنچ کر کنہیا لال پر گر پڑیں۔ بے
چارا کنہیا لال اس ناگہانی آفت سے اچھل پڑا تھا۔

"ارے..... ارے کون ہے۔ پسلیاں توڑنی ہیں کیا.....؟" کنہیا لال نے
اس بوجھ کو خود پر سے سرکاتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی اور بمشکل تمام اس میں
کامیاب ہوا۔

"ناتھ..... ناتھ..... میں ہوں..... اٹھو....." سرلا دیوی کے منہ سے
بمشکل آواز نکل سکی تھی۔

"اری..... تو..... تو....." وہ تعجب سے بولا..... اور پھر اس کے ہونٹوں



مسکراہٹ پھیل گئی۔"

ہوں یہ باسی کڑھی میں ابال کیسے آگیا آج....." اس نے دونوں ہاتھ سرلا
یوی کی کمر میں ڈال دیئے بارش ہو رہی ہے نا باہر..... یہ بارش بڑی ظالم چیز
ہے..... مگر کیا فائدہ سرلا..... ایک اور بیٹی کی ماں بن جائے گی بیٹا تو اپنے بھاگوں میں
ہے ہی نہیں۔

"دماغ خراب ہوا ہے تمہارا تو..... باہر..... باہر..... سرلا دیوی خوفزدہ تو
یں ہی..... شوہر کی غلط فہمی پر جھلا بھی گئیں۔"

"اوں..... ہوں..... عورت بوڑھی ہی کیوں نہ ہو جائے ہٹ نہیں
وڑتی پوجا کرنے کے لئے جگایا ہے مجھے کیا۔ ٹھیک ہے بھائی' پتی پر ادھیکار ہوتا ہے
تری کا۔ جب چاہے کان پکڑ کر جگادے اب کیوں نخرے کر رہی ہے بھاگوان۔ کوئی
سری جاگ گئی تو۔

"میں کہتی ہوں ہوش میں نہیں آؤ گے۔" سرلا دیوی نے کنہیالال کو زور
ے دھکیل دیا۔

"ارے..... ارے..... بڑا دم ہے اس عمر میں بھی۔ آگئے ہوش میں کہو
یا کہتی ہو؟"

"دیکھو..... باہر نکل کر دیکھو..... دیکھ لو اپنی آنکھوں سے۔ میں تو ہوں ہی
ل۔"

"کیا بکے جا رہی ہے..... کچھ منہ سے بھی تو پھوٹ..... کیا ہو گیا....."
یالال کو احساس ہو گیا کہ ان تلوں میں تیل نہیں ہے..... کوئی دوسری ہی بات
ے۔ وہ بستر سے نیچے اتر آیا۔ سرلا دیوی اسے گھسیٹتی ہوئی باہر صحن میں لے آئی
ں۔

کوندے اب بھی ہو رہے تھے۔ صحن میں بارش جل تھل کئے ہوئے تھی
نا..... صحن خالی تھا..... وہاں کوئی نہیں تھا..... "چلی گئی۔ بھگوان کی سوگند ابھی

یہاں تھی۔" وہ بے اختیار بولیں۔

"کون تھی..... کون تھی یہاں۔ کیا بک رہی ہے؟"

"وہی..... بھگوان کی سوگند میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس ک
لمبے لمبے بال زمین پر بکھرے ہوئے تھے اور سونے کی طرح چمک رہے تھے اتنے
ہو گئے تھے اس کے بال کہ میں نے سارے جیون نہیں دیکھے..... ہائے رام ابھی
یہاں تھی۔"

"بولے گی نہیں کون تھی؟" کنہیا لال کو اب غصہ آنے لگا تھا۔ بارش
راتوں میں نیند بڑی عفت کن ہوتی ہے۔ اس میں کسی گرم وجود کی گنجائش تو نکالی
سکتی ہے لیکن..... کسی پاگل کی بکواس کی نہیں۔

"چم..... چمپا..... " سرلا دیوی کے منہ سے بمشکل تمام نکلا اور کنہیا لا
اسے گھورنے لگا۔

"پھر تجھ پر چمپا کا بھوت سوار ہو گیا۔ سپنا دیکھا تھا کوئی۔"

"بھگوان کی سوگند ناتھ..... بھگوان کی سوگند وہ صحن میں یہاں موجود تھ
اس کے بال بکھرے ہوئے تھے..... اور وہ آسمان کی طرف منہ اٹھائے ہوئے کچھ
بڑا رہی تھی۔"

"دیکھ سرلا..... دیکھ من میں کچھ اور ہے تو صاف صاف کہہ دے کیو
فضول پریشان کر رہی ہے..... " کنہیا لال بے بسی سے بولا

"وشواش کرو ناتھ..... وشواش کرو میرے اوپر' جھوٹ نہیں بو
رہی..... میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے..... آنکھ کھل گئی تھی۔ میں باہر آ
میں نے اسے دیکھا۔ اور میں نے جو کچھ کہا ہے تم سے' ٹھیک کہا ہے۔

"تو اب وہ کہاں گئی..... وہ ..... کیا آکاش پر چلی گئی..... تو اس کی ک
نہیں چھوڑے گی شکتی کی ماں۔ میں کہتا ہوں انسان بن۔ ایک معصوم بچی ہے۔
وارث نہیں ہے اس کا اگر' کسی اناتھ آشرم میں تو بھی پروان چڑھ ہی جائے



ری بیٹیوں کے ساتھ مل جائے تو کیا حرج ہے' کیا کھا لے گی ہمارا..... دو روٹیاں ہی
کھائے گی۔ بے چاری' میری بات مان لے شکتی کی ماں۔ اس کے خلاف یہ باتیں
رنی چھوڑ دے۔

"میں تم سے کہہ چکی ہوں شکتی کے پتا..... وہ ضرور کوئی بری روح
ہے۔"

"آ..... اندر چل..... ذرا میں بھی دیکھوں اس بری روح کو..... دیکھوں
کہاں چلی گئی۔" کنہیا لال سرلا دیوی کا ہاتھ پکڑے ہوئے اندر اس جگہ آ گیا اس کی
وسری بیٹیوں کے درمیان وہ بھی سوئی تھی..... اور..... وہ شکتی کی آغوش میں منہ
ہپائے سو رہی تھی..... بے خبر..... اس کی گہری گہری سانسیں ابھر رہی تھیں.....

"سرلا دیوی دنگ رہ گئی..... انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔
ہوں نے ہوش و حواس کے عالم میں اسے صحن میں دیکھا تھا..... وہی تھی لیکن اس
ت کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ سو نہیں رہی۔ کنہیا لال آگے بڑھا اور اس نے سوتی
وئی بچی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کے بدن کو ٹٹول کر دیکھا۔ لیکن پانی کا ایک قطرہ
ی اس کے بالوں پر نہیں تھا اور نہ ہی اس کے بدن کا لباس بھیگا ہوا تھا۔ اس نے
ٹ کر سرلا دیوی کو دیکھا۔ اور آواز دبا کر بولا۔

"آ..... ادھر مر..... آ میرے پاس آ....." لیکن سرلا دیوی آگے نہ
ھیں۔ وہ اپنی جگہ کھڑی اسے گھور رہی تھیں۔

"تو کہتی ہے کہ وہ تھوڑی دیر پہلے باہر تھی..... مگر..... اس کے بدن یا بال
را بھی نہیں بھیگے..... دیکھ....." کنہیا لال آگے بڑھا اور اس نے سرلا دیوی کو
ھسیٹ کر اس کے پاس کھڑا کر دیا۔

"بول اب کیا کہتی ہے؟"

"کیا کہوں ناتھ' کچھ سمجھ میں نہیں آتا....." سرلا دیوی نے پریشان سے
ہجے میں کہا اور کنہیا لال جھلاتے ہوئے انداز میں ان کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل آیا۔

"دیکھ شکتی کی ماں میں تجھ سے صاف صاف باتیں کر لینا چاہتا ہوں' آ
اس سلسلے میں تیرے میرے بیچ صاف صاف باتیں ہوں گی اور اس کے بعد تو سمج
لے کہ اس بارے میں تو وہ سب کچھ کبھی نہیں کہے گی' جو آج تک تو اس کے بار
میں کہتی رہی ہے..... کنہیا لال اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے اپنی آرام کی جگہ تک پہ
گیا۔ سرلا دیوی کی گردن جھکی ہوئی تھی' جو کچھ انہوں نے دیکھا تھا۔ وہ غلط نہیں
تھا..... اور حالات جو کچھ ثابت کر رہے تھے اس کی تردید بھی وہ نہیں کر سکتی تھی
کنہیا لال نے انہیں بٹھا دیا۔

"شکتی کی ماں تیری چھ بیٹیاں ہیں۔ ایک بار پھر کہتا ہوں ماں بن' ماں
روپ تو بھگوان کا روپ ہوتا ہے' تو کیسی ماں ہے کہ چھ بیٹیوں کو جن کر بھی ابھ
تک ماں نہیں بن سکی۔ تیرے من میں ماں کا درد کیوں نہیں پیدا ہوا آخر وہ بھی ک
نہ کسی کی اولاد ہی ہو گی۔ اگر تیری کوئی بیٹی اس طرح دربدر ہو جاتی تو تیرے م
میں کیسا درد ہوتا۔ ممکن ہے اس بے چاری کی کوئی ماں نہ ہو۔ اس بن ماں کی ب
کے خلاف تیرے من میں اتنا کرودھ کیوں ہے۔ کیا اس بے چاری کی ماں کی آتما
دکھ نہ ہوتا ہو گا؟"

"مم' مگر ناتھ میں کیا کروں' جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ بھی ٹھیک ہی ہے
میں جھوٹ نہیں بول رہی' بھگوان کی سوگند کھاتی ہوں' میں جھوٹ نہیں بول
رہی۔"

"سپنا ہو گا..... خیال ہو گا تیرا..... تیرے من میں اس کے خلاف بر
بری باتیں آتی رہتی ہیں۔ تو یہی سوچتی رہتی ہے کہ وہ کوئی پچھل پیری بھوتنی یا چڑیل
ہے۔ میں کہتا ہوں اگر ایسی بھی کوئی بات ہے اور ہمیں اس سے کوئی نقصان نہیں پہ
رہا ہے تو کیا ہرج ہے۔ اگر تو مجھے پاگل نہ سمجھے تو میں تو یہ بات صاف صاف کہ
دوں کہ جب سے وہ آئی ہے ہمارے دلدر دور ہونے لگے ہیں۔ شکتی کی ماں یہ بھ
ہو سکتا ہے کہ اس کے آنے کی وجہ سے ہمارے اور بھی سارے دکھ دور ہو جائیں:



چھ ہم سوچتے ہیں وہ سب کچھ پورا ہو جائے اس پر رحم کر شکتی کی ماں رحم کر'
گوان بس تیرا' بھلا ہی کرے گا....."

"ٹھیک ہے ناتھ مگر..... مگر مجھے اس سے ڈر لگتا ہی رہے گا۔"

"تو ڈرتی رہے' ڈر ڈر کر مرجا' جا اب سو جا جاکر' نہیں تو میرا دماغ بھی پھر
ائے گا' کنہیا لال نے کہا' محبت اور پیار کے جو جذبات تھوڑی دیر کے لئے اس کے
میں پیدا ہوئے تھے وہ اب پھر گہری نیند سو گئے تھے۔ چارپائی پر لیٹ کر اس نے
در سر تک اوڑھ لی اور سرلا دیوی اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی وہ اب بھی کچھ
چ ہی رہی تھیں۔ لیکن ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

دوسری صبح حسب معمول تھی' آج کنہیا لال بھی اپنے کام پر نہیں گیا تھا۔
ات کو بارش کی وجہ سے برتنوں کی تیاری مکمل نہ ہو سکی تھی۔ بھٹہ بھی بجھا رہا تھا'
را دن کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔ سرلا دیوی رات کو کنہیا لال کو پریشان کر چکی
ں۔ اس لئے آج کا دن انہوں نے انتہائی سکون سے گزارا' انہوں نے سوچا کہ اگر
کا رویہ کسی طور چمپا کے خلاف ہوتا ہے تو کنہیا لال اسے برداشت نہیں کر سکے گا'
حال شوہر تھا اور وہ اس سے ڈرتی بھی تھیں۔

موسم صحیح ہو گیا تھا۔ بادل کھل گئے تھے۔ چنانچہ شام کو کنہیا لال نے اپنا کام
روع کر دیا۔ اس نے بھٹہ پکایا اور اس کے بعد دوسری صبح اپنی تیاریاں مکمل کر کے
ا پڑا۔

لڑکیاں بالیاں اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھیں۔ سرلا دیوی بھی اپنے
میں مصروف ہو گئیں۔ اس وقت وہ نوہرے میں ایک کونے میں بیٹھی کسی کام
مصروف تھیں کہ انہوں نے اپنے پیچھے قدموں کی آہٹ سنی پلٹ کر دیکھا تو وہ
سے تھوڑے فاصلے سے گزر رہی تھی۔ انداز میں کچھ ایسا چوری چوری کا انداز
ت رہا تھا کہ سرلا دیوی چونک پڑیں۔ انہوں نے خوفزدہ نگاہوں سے اسے دیکھا
ان کی آنکھیں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔

نوہرے کے آخری کونے میں پیپل کے درخت کے پاس پہنچ کر اس نے
ادھر ادھر دیکھا اور پھر ایک ہاتھ سے کسی کو اشارہ کیا۔ سرلا دیوی کے دل میں پھ
خوف و دہشت کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ انہوں نے کسی کو درخت سے اتر
ہوئے دیکھا اور دہشت سے اچھل پڑیں۔ یہ شکل ان کی جانی پہچانی نہیں تھی۔ عجیب
بھیانک شکل تھی' سیاہ چہرہ' سیاہ ہاتھ پاؤں بدن پر عجیب سا لباس اور اس کا چہرہ د
کر کانپنے لگیں۔ حالانکہ کافی فاصلہ تھا لیکن اس کے باوجود انہیں اس آدمی کا چ
صاف نظر آ رہا تھا' جو درخت سے اترا تھا اور پھر ان کے کانوں میں ہلکی ہلکی آواز
آنا شروع ہو گئیں۔ چمپا اور وہ شخص آپس میں باتیں کر رہے تھے' کیونکہ آواز
میں ایک آواز مردانہ تھی اور دوسری معصوم بچی کی۔

سرلا دیوی کا بدن سن ہو گیا۔ وہ دہشت زدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ
رہیں۔ دفعتاً" وہ آدمی ہنس پڑا۔ مکروہ اور خوفناک ہنسی' اس کی نگاہیں سرلا دیوی
طرف نہیں تھیں بلکہ وہ اس بچی سے باتیں کر رہا تھا اور سرلا دیوی نے پہلی بار چمپ
بولتے سنا تھا ان کا دل دھاڑ دھاڑ کرنے لگا۔ وہ سارے احساسات اور خوف
جذبات پھر ان کے دل میں نمودار ہو گئے جنہیں وہ بڑی مشکل سے کسی حد تک
کر چکی تھیں..... اس کا مطلب ہے ان کا خیال ٹھیک تھا..... وہ..... وہ بول
سکتی ہے..... لیکن جان بوجھ کر خاموش ہے۔

چند ساعت لڑکی اس سے بات کرتی رہی..... پھر انہوں نے اس مر
دوبارہ پیپل کے درخت پر چڑھتے دیکھا۔ وہ بری طرح چیختی ہوئی وہاں سے اندر بھ
تھیں..... اندر شکتی' پریما اور دوسری لڑکیاں آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔
دیوی بری طرح ٹھوکریں کھاتی ہوئی اندر آئیں۔ ان کے گھٹنے میں چوٹ بھی لگ
تھی۔ گھٹنا پکڑ کر وہ درد سے چلانے لگیں۔ ساری لڑکیاں ان کے گرد جمع ہو
تھیں۔ سرلا دیوی کے پورے بدن سے پسینہ چھوٹ رہا تھا۔ آواز ان کے حلق
نہ نکل رہی تھی سوائے کراہوں کے تب لڑکیوں نے اٹھا کر انہیں ان کے پلنگ پر



اور ان کی تیمار داری شروع کر دی۔

"ہائے' ہائے یہ کنہیا لال ارے اس کا ستیاناس اس پر بجلی گرے کم بخت
پہ..... مار دیا..... ہائے مار دیا مجھے تو' نجانے کیا کر کے چھوڑے گا یہ' ہائے لڑکیو
بھاگ جاؤ..... بھاگ جاؤ یہاں سے..... اس گھر میں تو اب بھوتوں کا بسیرا ہے میں
کہتی ہوں بھاگ جاؤ' اس گھر میں تو اب بھوت ہی بھوت ہیں۔ اری کوئی کم بخت
چٹ جائے گا تم سے۔" سرلا دیوی ہذیانی انداز میں چیخ رہی تھیں..... "کیا ہوا ماتا
جی..... کہاں دیکھ لیا آپ نے بھوت۔" شکتی مسکراتی ہوئی بولی..... ماں کی حرکتوں
سے واقف تھی' اس لئے سب ہنس رہی تھیں۔

"اری کم بخت حرامزادی ہنس رہی ہے' تیرا ستیاناس جھاڑو پھرے تیرے
منہ پر' میں مر رہی ہوں تو ہنس رہی ہے۔"

"نہیں ماتا جی آپ اتنے آرام سے نہیں مریں گی۔" شکتی نے پھر ہنستے
ہوئے کہا۔

"ارے نہیں مرتی تو مار ڈال' گلا گھونٹ دے میرا..... اری کم بخت تم نے
اور تمہارے باپ نے تو میرا جیون ہی نشٹ کر کے رکھ دیا ہے۔ ارے کہاں جاؤں
میں میکہ بھی نہیں ہے۔ جو وہاں جا کر مر جاؤں۔" سرلا دیوی بکتی جھکتی رہیں اور
لڑکیاں آپس میں ایک دوسری کو دیکھ کر کھوں کھوں کرتی رہیں۔ کوئی بھی سرلا دیوی
کی اس کیفیت پر سنجیدہ نہیں ہوا تھا۔ چند ساعت کے بعد وہ بھی ٹہلتی ہوئی ان کے
قریب پہنچ گئی اور سرلا دیوی اسے دیکھ کر جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

"ارے ہٹاؤ اسے میرے پاس سے بھوت..... بھوت..... بھتنی بھتنی۔"

"ہوں....." شکتی نے گہری نگاہوں سے ماں کو دیکھ کر گردن ہلا دی' اور
پھر بچی کو گود میں لے کر وہاں سے باہر نکل گئی۔

شام کو کنہیا لال گھر آیا' تو سرلا دیوی سر پر پٹی باندھے پلنگ پر پڑی تھی۔
گھٹنے میں کافی چوٹ لگی تھی اس سے گھٹنا سوج آیا تھا۔ کنہیا لال نے اسے تعجب سے

دیکھا تھا۔ اور پھر اسے آج کی کمائی دے کر بولا۔
"کیا ہوا دیوی جی۔ کوئی نئی بات ہو گئی۔
"دیوی جی نے کوئی جواب نہیں دیا بس آنکھیں بند کر لی تھیں۔ تب
لال نے شکتی کو آواز دی اور وہ مسکراہٹیں روکتی ہوئی ان کے پاس پہنچ گئیں۔
"آج کیا ہوا تمہاری ماں کو شکتی؟"
"گر پڑی تھیں پتا جی..... بھوت دیکھ کر....." شکتی نے جواب دیا۔
"بھوت....." کنہیا لال نے حیرت سے کہا۔
"ارے اس سے بڑی بھتنی بھی ہو گی کوئی دوسری..... تیس سال سے
سے چمٹی ہوئی ہے آج تک جان نہیں چھوڑی..... بھوت کہاں دیکھ لیا اس نے"
لال نے کہا۔
"اماں جی چمپا کو بھتنی سمجھ رہی ہیں۔"
"ہوں۔ میں تو پہلے سمجھ گیا تھا۔ مگر کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔ اسی
چمپا بھی اب اسے چمٹی ہی رہے گی' سنو تم لوگ..... میں تمہارا پتا ہوں نا۔"
"ہاں پتا جی۔"
"مجھے وشواش ہے کہ جو کچھ میں کہوں گا' تم ضرور مانو گی۔"
"ہاں پتا جی۔"
"پھر کان کھول کر سن لو..... تمہاری ماں کچھ بھی بکتی رہے تم لوگ
خیال رکھو گی..... اسے اگر کوئی تکلیف ہوئی اس گھر میں تو میں تم لوگوں کو چھو
اور اسے ساتھ لے کر کہیں اور چلا جاؤں گا' سمجھ گئیں تم لوگ....."
"جی پتا جی....." شکتی نے کہا..... اور باہر چلی گئی..... کنہیا لال بھی
نکل آیا اور اپنے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ لیکن سرلا دیوی کی بری حالت
انہوں نے بارش میں اس کا وہ عجیب روپ دیکھا تھا اور پھر پیپل کے درخت کے
وہ ان کا وہم نہیں تھا..... وہ بول رہی تھی باتیں کر رہی تھی..... اور پیپل



رخت والا..... اسے بھی انہوں نے بخوبی دیکھا تھا..... لیکن کس سے کہتیں..... کیا
رتیں کوئی ان کی بات ماننے کو تیار نہیں تھا..... مگر یہ واقعہ بھی کسی کو سناتیں تو کون
نتا..... وہ خاموش پڑی سوچتی رہیں..... پتی کے خلاف پہلے ہی ان کے دل میں
ت کچھ تھی۔ اپنے حالات سے پہلے ہی پریشان تھیں۔ اب یہ نئی آ پڑی تھی۔ اپنی
لہ بڑی سوچتی رہیں اور پھر یہی فیصلہ کیا کہ پتی یا بیٹیاں ان کا ساتھ نہیں دیں گی۔
یک ہے کچھ ہو گا تو ان ہی لوگوں کی وجہ سے ہو گا۔ وہ جانیں اور ان کا کام۔ بلا وجہ
نز کیوں کھپائیں؟
لیکن بھلا سکون کہاں سے ملتا..... انہوں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن گھٹنے
ں چوٹ کافی دکھ رہی تھی..... البتہ دوسرے دن ان کی حالت کچھ بہتر تھی۔ رات
رکی سوچ کے بعد انہوں نے ایک فیصلہ کیا تھا۔ پڑوس میں ایک دیوی جی رہتی تھیں
ن کا نام پھول دیوی تھا۔ یہ سرلا دیوی کی سکھی تھیں۔ سرلا دیوی ان کے پاس پہنچ
ئیں۔ اور پھول دیوی نے ان کی خوب آؤ بھگت کی۔
"تم تو گھر سے نکلتی ہی نہیں ہو سرلا۔ آج کیسے چھٹی مل گئی۔ اور یہ لنگڑا
بول رہی ہو؟"
"چوٹ لگ گئی ہے گھٹنے میں۔"
"ارے رے..... بڑا افسوس ہوا..... کنہیا کا کام کیسا چل رہا ہے؟"
"اب تو ٹھیک ہے بہن جی..... مگر میں تم سے مشورہ کرنے آئی ہوں۔"
"ہاں کہو....."
"بڑی عجیب بات ہے۔ کہیں تم بھی میرا مذاق نہ اڑانے لگو۔" سرلا دیوی
یشانی سے بولیں۔
"نہیں۔ نہیں۔ کہو کیا بات ہے۔" پھول دیوی نے کہا اور سرلا دیوی نے
ی پوری کہانی سنا دی بے چاری پھول دیوی بھی خوفزدہ ہو گئی تھیں۔
وہ بھی سرلا دیوی کی مانند ڈرپوک تھیں..... بڑی دیر تک سوچنے کے بعد

بولیں.....

"شکتی کی ماں۔ یہ کیا روگ پال لیا کنہیا لال نے۔ گھر میں چھ چھ بیٹیا
کنوارے پنڈے ہیں اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو کیا کرے گا..... اتنا ب
نہیں ہے۔ تیرے پاس تو کہ بیٹیوں کا علاج کراتی پھرے۔ اری کچھ کر سرلا یہ
تو تیرے ساتھ ساتھ اپنی بیٹیوں کے ساتھ بھی دشمنی ہی کر رہا ہے۔

"کوئی اپائے بتاؤ پھول دیوی.....میں تو خود خوف سے مری جا رہی ہ

"پنڈت رام سروپ کو جانتی ہو..... ارے وہی گیانی مہاراج۔ جو
انگلی ڈال دیتے ہیں تو پانی میٹھا ہو جاتا ہے۔ یاد نہیں انہوں نے بنسی لال کے
موت کے منہ سے نکال لیا تھا۔"

"ہاں یاد ہے مجھے....." سرلا دیوی بولیں۔

"آج کل آئے ہوئے ہیں۔ اور وہیں پیپل کے نیچے ان کا ستھان
تمہاری خوش قسمتی ہے کہ وہ یہاں آئے ہوئے ہیں۔ اگر تم کہو تو میں ابھی تم
کے پاس لے چلوں۔"

"لے چلو میری بہن میں نہیں چاہتی کہ میرا اندھا پتی میری بیٹیوا
مصیبت میں ڈال دے۔"

سرلا دیوی نے گڑگڑاتے ہوئے کہا..... اور پھول دیوی تیار ہو گئیر
پنڈت رام سروپ جی کی طرف چل پڑی تھیں۔

پنڈت رام سروپ سادھو تھے۔ لیکن اس قسم کے سادھو جو گیان ا
نہیں رکھتے' بس لوگوں کو بے وقوف بنانے کے گر سیکھ لیتے ہیں اور اپنی شع
سے سیدھے سادھے دیہاتیوں کو بے وقوف بنا کر عیش کرتے ہیں۔ ایسے
کاروبار سیدھے سادھے دیہاتیوں سے ہی چلتا ہے یا پھر کبھی کبھی شہری عو
ان کے چکر میں پھنس جاتی ہیں۔ کسی ایک جگہ نہیں ٹھہرتے تھے کہ لوگ
حقیقت سے واقف نہ ہو جائیں۔ اپنے معتقدین کے درمیان دورے کر۔



۔ آج کل یہاں آئے ہوئے تھے اور اپنی مخصوص جگہ قیام پذیر تھے۔ دیہاتی ان
خوب خاطر مدارت کر رہے تھے۔

سرلا دیوی پھول دیوی کے ساتھ ان کی سیوا میں پہنچ گئیں۔ رام سروپ جی
گہری نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھا۔ پھر انہوں نے اپنے سامنے جلتی ہوئی آگ
الاؤ میں ایک سفوف ڈالا اور اس سے دھواں بلند ہونے لگا۔ ان کی تجربہ کار
ہوں نے بھانپ لیا تھا کہ دونوں میں سے کون عورت پریشان ہے' پھر وہ سرلا دیوی
بولے۔

"کیا بات ہے دیوی..... تمہاری پریشانی کا کیا کارن ہے۔"

"جے ہو مہاراج کی..... آپ نے کیسے پہچان لیا کہ میں کسی پریشانی میں
ں۔"

"بے وقوف.....سادھوؤں سے کونسی بات چھپی رہتی ہے۔ تو من کی بات
ہ' ہم اس کا اپائے کریں۔ بول کیا پریشانی ہے تجھے۔" اور سرلا دیوی نے اپنی کہانی
ہرا دی..... پنڈت جی دل ہی دل میں مسکرائے..... اچھی آسامی پھنسی تھی' پھر
وں نے پوچھا۔ "کیا کرتا ہے تیرا پتی؟"

"کمہار ہے مہاراج۔"

"کتنی کمائی کر لیتا ہے؟"

"پہلے تو بڑی پریشانی تھی مہاراج۔ مگر اب کچھ روز سے چالیس پچاس
پے روز لا رہا ہے۔"

"ہوں۔ اور کتنے بچے ہیں تمہارے؟"

"چھ بیٹیاں ہیں مہاراج۔"

"ہوں.....کیا کیا عمریں ہیں ان کی۔" اور سرلا دیوی نے بیٹیوں کی عمریں
دیں۔

"سب کنواری ہیں۔"

"ہاں مہاراج..... اتنا پیسہ ہی نہیں جڑا کبھی کہ ان کی شادیوں کے بار
میں سوچوں۔ میرا پتی تو اندھا ہے۔ ایک اور لے آیا میرے سر پر۔" سرلا دی
مظلومیت سے بولیں۔

اور پنڈت جی گردن ہلانے لگے۔ سرلا دیوی سے حاصل شدہ معلومات
تحت اس کی کم از کم تین بیٹیاں جوان تھیں اور جوانی پنڈت جی کی بھی کمزوری
اسی بستی کی تین لڑکیاں ان سے اپنا علاج کرا چکی تھیں۔ یہ دوسری بات ہے
پنڈت جی کے "علاج" کی چبھن ابھی تک ان کے دلوں میں موجود تھی اور وہ
اس چبھن کو دنیا سے چھپائے بیٹھی تھیں۔ ان میں بنسی لال کی بہو دھن وتی
تھی۔ پنڈت جی کے "علاج" کے بعد ان کے ہاں بیٹا پیدا ہو گیا تھا لیکن اس کے
وہ مستقل مریضہ بن گئی تھی۔ اسے اس بیٹے سے نفرت تھی شدید نفرت کیونکہ و
کے پتی رام جگ کی اولاد نہیں تھی۔ اور اس کے چہرے کے نقوش بھی پنڈت
سروپ سے ملتے جلتے تھے۔ دوسری دونوں لڑکیاں بھی پنڈت جی کا شکار ہو
تھیں۔ اور اب ان کی آنکھوں میں تین اور جوان لڑکیوں کا تصور ابھرا تھا۔

"تو چنتا مت کر دیوی۔ ہم تیری ساری پریشانیاں دور کر دیں گے۔ ہا
ہمارا ساتھ دینا ہو گا۔"

"میں من سے تیار ہوں مہاراج..... کیا کرنا ہو گا مجھے؟"

"تیرا پتی اس لڑکی کو بہت چاہتا ہے؟"

"ہاں مہاراج۔"

"پاگل یہ بھول گیا ہے کہ اس طرح وہ اپنی بیٹیوں کے حق میں کانٹے
ہے کنواری لڑکیاں ہیں۔ کسی بھوت کا سایہ ان کے قریب تک نہیں بھٹکنا چاہیے
کنہیا لال، خیر کوئی بات نہیں ہے۔ میں تیری پوری پوری مدد کروں گا دیوی۔
یہ سارے کام اپنے پتی سے چھپا کر کرلے گی۔"

"ہاں مہاراج..... اگر اسے پتہ چلا گیا تو گھر سے نکال دے گا۔ مجھے



..."
حالانکہ وہ برا آدمی نہیں ہے، پر کیا کروں؟

"میری بات نہیں مانتا۔" سرلا دیوی مظلومیت سے بولیں۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے کوئی چنتا مت کر، ہاں ایک بات اچھی طرح جان
اس کام میں کافی سمے لگے گا۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں مہاراج، مجھے بتایئے میں کیا کروں۔"

"کچھ نہیں، تو مجھے یہ بتا تیرا پتی کس سمے واپس آتا ہے؟"

"شام کو۔"

"تیری بیٹیاں تیری بات مانتی ہیں؟"

"نہیں مانتی مہاراج۔ یہی ساری مصیبت ہے۔"

"ہوں..... اس کا مقصد ہے ہمیں کافی پریشانی اٹھانا پڑے گی، لیکن کوئی
ت نہیں ہے۔ ہم آج ہی دوپہر کو تیرے گھر کا ایک چکر لگائیں گے، پر تو یہ ظاہر
ت کرنا کہ تو ہمیں جانتی ہے، بس ہمیں بلانا۔ آج دوپہر کا بھوجن ہم تیرے گھر ہی
یں گے۔ تو ایک ایک کر کے اپنی ساری لڑکیوں کو ہمارے سامنے لے آنا اور آخر
ا اس لڑکی کو بھی۔"

"جی مہاراج۔" سرلا دیوی نے جواب دیا۔

"اس کے بعد ہم تجھے دوسری بات بتائیں گے کل دن میں اس وقت تو
رے پاس آ جانا....." پنڈت رام سروپ نے کہا اور پھر سرلا دیوی نے گردن ہلا
ا۔

"پنڈت رام سروپ نے اسے تھوڑی سی مٹی اٹھا کر دی اور پھر کہا۔

"لے اسے پلو میں باندھ لے اور اس مٹی کو اپنے گھر کے چاروں کونوں
ا بکھیر دینا۔"

سرلا دیوی نے عقیدت سے وہ مٹی اپنی اوڑھنی کے پلو سے باندھ لی اور پھر

رام سروپ کی اجازت سے وہاں سے اپنی سکھی کے ساتھ واپس چلی آئی' اسے کہ
قدر سکون محسوس ہوا تھا۔

گھر پہنچی تو بیٹیاں حسب معمول چمپا میں الجھی ہوئی تھیں۔ اس کے بنا
سنگھار ہو رہے تھے اور وہ اس بھوتنی کو ان کے درمیان بیٹھا دیکھ کر بری طرح جا
گئیں۔ نفرت کی شدید لہران کے پورے وجود میں پھیل گئی۔ انہوں نے حقارت ۔
اس ننھی بچی کو دیکھا۔"

پاپن نے میرے گھر میں ایسا ڈیرہ جما لیا ہے کہ سبھی ہی کو پاگل کر کے رَ
دیا ہے۔ نجانے کب یہ بھوت اس گھر سے بھاگے گا' انہوں نے دل میں سوچا او
کوٹھے پر چلی گئیں تھوڑی دیر کے بعد سرلا دیوی نے شکتی کو پکارا۔

"ارے موٹی مسنڈی کھانا وانا بھی پکایا ہے کچھ یا اسی بھتنی میں الجھی ہو
ہے۔"

"سب پک گیا ہے ماتا جی..... اور ہاں ایک بات آپ کو بتانی ہے۔"

"کیا....." سرلا دیوی نے آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"آج پھر وہ آواز سنائی دی تھی۔"

"کونسی آواز....."

"مایا کی آواز..... بھگوان کی سوگند جھوٹ نہیں کہہ رہی ماتا جی۔ آج
آواز مجھے کوٹھے کی دہلیز کے پاس سنائی دی تھی' وہ کہہ رہی تھی مجھے نکال لو۔
نکال لو۔

"تو کہتی رہے' ہم کبھی اسے نہ نکال پائیں گے۔" سرلا دیوی نے منہ بنا
کر کہا اور پھر عجیب سے لہجے میں بولیں' "اپنی اس بھتنی کو کہنا کم از کم اس مایہ کو
نکال دے بڑی قوتوں کی مالک ہے۔"

"کون.....؟ چمپا....."

"ہاں اور کس کی بات کر رہی ہوں؟"



"ماتا جی وہ تو بڑی پیاری سی' بڑی معصوم سی بچی ہے' اس کے اندر کوئی
ت کہاں سے آئی۔"

"ہاں' ہاں تو بھی معصوم اور پیاری ہے' شکتی دیکھو تم لوگ میری بات مان
'ایک دن تم سب کو سر پر ہاتھ رکھ کر رونا پڑے گا۔

"ماتا جی ایک بات بتائیں۔ یہ سر پر ہاتھ رکھ کر کیوں روتے ہیں۔" شکتی
نے پوچھا۔

"میں بتاؤں تجھے آ ٹھہر تو سہی موئی حرامزادی مسنڈی کہیں کی۔" سرلا
وی نے پلنگ کے پاس پڑی جوتی اٹھائی اور شکتی اچھل کر ہنستی ہوئی بھاگ گئی۔ سرلا
وی سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔ پھر انہیں خیال آیا کہ مہاراج رام سروپ دوپہر کا کھانا
یں کھائیں گے۔ چنانچہ وہ رسوئی کی طرف چل پڑیں۔ کچھ اور چیزیں تیار کیں۔
پہر گزری بھی نہ تھی کہ دروازے سے رام سروپ کی آواز سنائی دی۔

"بم بم بھولے..... بم بم بھولے ناتھ۔"

اور سرلا دیوی چونک پڑی..... رام سروپ جی کی آواز انہوں نے پہچان لی
ی دوسرے لمحے انہوں نے شکتی کو آواز دی۔

"دیکھ تو شکتی دروازے پر کون آیا ہے؟"

"ارے ماتا جی ہو گا کوئی مسنڈا فقیر..... یہ نکمے کام چور ایسے ہی حرام کی
وٹیاں تلاش کرتے پھرتے ہیں۔" شکتی نے کہا۔

"ارے تیرا ستیاناس ہتھیاری پاپن....."

دیکھ تو سہی جا کر سادھوؤں کے بارے میں ایسی باتیں کرتی ہے بن موت
رے گی۔" سرلا دیوی خود ہی اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔ رام سروپ
ہر کھڑے مسکرا رہے تھے۔ سرلا دیوی انہیں اندر لے آئیں اور ایک پلنگ پر انہیں
ٹھا دیا۔ لڑکیاں حیرت سے اپنی ماں کی شکل دیکھ رہی تھیں۔ سرلا دیوی نے تو کبھی
سی کو ایک پیسہ کی چیز بھی نہیں دی تھی۔ آج یہ سادھو پر نجانے کیوں کرم ہو رہا

تھا۔ سرلا دیوی نے رام سروپ کو بٹھانے کے بعد نرمی سے پوچھا۔

”مہاراج پہلے بھوجن لگا دوں؟“

”ہاں دیوی بھوک لگ رہی ہے۔“ رام سروپ نے جواب دیا اور دیوی رسوئی کی طرف چل پڑی۔

لڑکیاں اپنی ماں کی اس حیرت انگیز تبدیلی پر حیران تھیں۔ بڑی خاطر مدا ہو رہی تھی۔ سادھو مہاراج کی۔ سرلا دیوی خود اپنے ہاتھوں سے اس کے بھوجن پروس رہی تھیں۔ جب رام سروپ جی حلق تک بھر چکے تو انہوں نے دیوی کو دوسرا حکم دیا۔

”سب سے پہلے اپنی بڑی بیٹی کو میرے پاس بھیج دو۔ اس سے کہنا ج کہوں میں بس وہی کرے۔ اور ہاں اس دوران میرے سامنے کوئی دوسر آئے۔“

”جی مہاراج.....“ سرلا دیوی نے کہا..... اور پھر واپس آ کر شکتی بولیں۔

”پنڈت جی مہاراج بہت بڑے گیانی ہیں۔ جاؤ وہ تمہیں بلا رہے ہیں ج وہ کہیں ویسا ہی کرنا۔ میں یہ سب کچھ تمہارے بھلے کے لئے کر رہی ہوں۔

”یہ میں ان کے پاس جا کر کیا کروں گی ماں جی؟“

”میں جو کچھ کہہ رہی ہوں وہ تیری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ چل جا ری سے اندر جا فوراً“ اور شکتی پاؤں پٹختی ہوئی پنڈت جی کے پاس پہنچ گئی۔ پنڈ اسے دیکھ کر مسکرانے لگے تھے۔ انہوں نے بڑے پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا اور اس کی کمر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

”شکتی۔ تیرا نام شکتی ہے نا؟“

”معلوم ہے تو پوچھ کیوں رہے ہو؟“

”بڑی ہی شکتی مان ہے۔ سنسار تیرے پیروں تلے ہو گا۔ کسی سے پریم



ہے۔ سادھوؤں سے من کی بات چھپانا پاپ ہے شکتی۔ بول کس سے پریم کرتی ہے۔ و کیا یہ نہیں جانتی کہ تیرا پریمی سارے بندھن توڑ کر تیرے چرنوں میں آ گرے۔“

”ہوں..... شکتی نے معنی خیز نگاہوں سے پنڈت جی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ آپ اپنے ہاتھ میری کمر پر کیوں پھیر رہے ہیں مہاراج؟“ اور پنڈت جی نے جلدی سے اپنا ہاتھ اس کی کمر سے ہٹا لیا۔ لڑکی کچھ غلط معلوم ہوتی تھی لیکن وہ بھی کم ڈھیٹ نہیں تھے۔ چند ساعت کے بعد بولے۔ ”تو نے اپنے پریمی کا نام نہیں بتایا؟“

”ماتا جی سے پوچھ کر آتی ہوں۔“ شکتی اٹھنے لگی۔

”ارے نہیں..... نہیں..... بڑی شریر لگتی ہے تو۔ محلوں میں راج کرنے کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ چندرما تیری پیشانی پر اترا ہوا ہے۔ سن شکتی اگر کچھ بننا چاہتی ہے تو مجھے چلہ کرنا ہو گا۔ صرف تین دن کا چلہ..... میں کنڈلی کٹیا کے پاس پیپل کے درخت کے نیچے ٹھہرا ہوں۔ آج رات جب سنسار خاموش ہو جائے وہاں آ جانا۔ میں تجھے ایک جاپ بتاؤں گا اس کے بعد..... یہ سنسار تیرے قدموں تلے ہو گا۔“

”زیادہ کھا گئے ہو پنڈت جی..... جاؤ کہیں جا کر اوندھے پڑ جاؤ..... کھانا ہضم ہو جائے گا ورنہ میں ایک ایسا جاپ بھی جانتی ہوں کہ منش کا کھایا پیا سب باہر نکل آتا ہے۔“

”تیری مرضی رے شکتی..... ہم تو تجھے کچھ دینا چاہتے تھے۔ تو نہیں لینا چاہتی تو تیری مرضی.....“

”دینا تو میں بھی تمہیں کچھ چاہتی ہوں مہاراج۔ مگر کیا کروں ماتا جی کا ڈر ہے جے رام جی کی۔“

وہ وہاں سے چلی آئی۔ اور پنڈت جی سوچنے لگے کہ لڑکی بہت خطرناک ہے۔ ٹھیک نہیں رہے گی۔

ہاں معصوم پریما شکتی کی طرح چالاک نہیں تھی کم سن تھی پنڈت جی کی

باتوں میں آ گئی..... اور اس نے وعدہ کر لیا کہ وہ رات کو پنڈت جی کے پاس ضـ
جائے گی۔ اس کی خواہش تھی کہ اس کے ماتا پتا کی پریشانیاں دور ہو جائیں
بہرحال پنڈت جی کا کام بن گیا تھا..... وہاں سے چلتے ہوئے انہوں نے سرلا دیو
کہا.....

"تم بالکل چنتا مت کر دیو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا' ہاں کل آؤ تو
کوری ہانڈی میں کچے چاول بھرنا اور اوپر چالیس روپے رکھ کر میرے پاس لے
میں ہانڈی پر منتر پڑھوں گا۔"

"ٹھیک ہے مہاراج....." سرلا دیوی نے عقیدت سے گردن ہلا دی۔

پندرہ سال کی نوخیز لڑکی رات کی تاریکی میں پیپل کے درخت کے نیچے پہنچ
ی۔ جہاں شیطان صفت سادھو اس کے انتظار میں دھونی مارے بیٹھا تھا۔ اس کے
میں شیطان انگڑائیاں لے رہا تھا۔ ایک کم سن جوانی اس کے جال میں پھنس گئی
ا۔ اس کنوارے بدن کی مالک پریما اس کے سامنے پہنچ گئی۔ اور پنڈت رام
روپ اٹھ کھڑا ہوا۔

"تو آ گئی پریما؟" اس کی آواز ابھری۔

"ہاں مہاراج۔"

"بول تیرے من کی سب سے بڑی آشا کیا ہے؟"

"میں چاہتی ہوں مہاراج کہ ہمیں بہت سا دھن مل جائے۔ ماتا پتا کے دکھ
ر ہو جائیں۔" پریما نے کہا۔

"ہم تیرے من کی یہ آشا پوری کر دیں گے پریما۔ لیکن ماتا پتا کے دکھ تو تو
اپنے بدن پر لاد رکھے ہیں۔ دور کر لے ان دکھوں کو اپنے شریر سے اور پوتر ہو

جا۔۔۔ تمہارے ان کپڑوں کو۔۔۔ ٹھہر میں تیری مدد کرتا ہوں۔" پنڈت ج
ہاتھ پریما کے لباس کی طرف بڑھ گئے اور معصوم لڑکی کچھ بھی نہ سمجھ سکی۔ بار
پنڈت جی نے اس کا اوپری لباس اتارنے کی کوشش کی تو وہ پیچھے ہٹ گئی۔

"پنڈت جی۔۔۔ میں۔۔۔ میں آپ کے سامنے۔" اس نے حیرت
کہا۔

"او سمجھنے کی کوشش کر پریما۔۔۔ سچے پریمی کچھ کھو کر ہی بنتے ہیں ت
کریں گے اور تو اس کا پھل پائے گی۔ یہ ضروری ہے۔"

پنڈت جی نے اسے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ لیکن اسی وقت کسی نے ا
بال پکڑ کر گھسیٹ لیا' پنڈت جی اچھل پڑے تھے۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا تو ا
ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ پانچ چھ آدمی اس کے گرد کھڑے ہوئے تھے لیکن یہ ا
گاؤں کے دیہاتی نہیں تھے۔ ان کے قد لمبے تھے اور ان کے ہاتھ شانوں سے
زمین تک لٹک رہے تھے۔۔۔ آنکھیں بڑی بڑی اور ہیبت ناک تھیں۔ پھر ا
سے ایک نے آگے بڑھ کر پنڈت جی کی داڑھی پکڑلی اور اس کی آواز ابھری۔

"جس گھر کی یہ بیٹی ہے وہ ہماری پناہ میں ہے مکار سادھو۔ سمجھا وہ
پناہ میں ہے۔ اس گھر کے کسی فرد کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا!"

"تت۔ تم کون ہو بھائی؟"

"بتاؤ اسے۔" اس نے دوسروں سے کہا۔۔۔ اور ان میں سے ایک
پنڈت جی کی ٹانگوں میں ہاتھ ڈال کر انہیں زمین پر پٹخ دیا۔

"میرا نام گورا پہلوان ہے۔۔۔" پنڈت جی کی ریڑھ کی ہڈی چیخ گئی

"ارے مر گیا۔۔۔ معاف کر دو۔۔۔ معاف کر دو۔۔۔ ہائے مر گیا۔

"مجھے بھولا پہلوان کہتے ہیں۔" تیسرا آدمی آگے بڑھا اور پھر
پہلوان پنڈت جی کو داؤ پیچ دکھانے لگے۔ پریما چیخ مار کر بے ہوش ہو گئی
دوسری صبح بستی کے لوگوں کے لئے بڑی حیران کن تھی۔ پنڈت جی پیپل



رخت کے نیچے بے ہوش پڑے ہوئے تھے۔ ان کے سر اور داڑھی کے بال جگہ
لہ سے غائب تھے اور ان کے جبڑوں سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کے علاوہ ہاتھ پیروں
ں بہت سی ہڈیاں بھی اپنی جگہ چھوڑ چکی تھیں۔ لیکن پریما کو کسی نے وہاں نہیں
یکھا تھا۔ اور اپنے گھر کے کوٹھے میں اپنی چارپائی پر پڑی پریما سوچ رہی تھی کہ رات
و اس نے کوئی بھیانک سپنا دیکھا تھا۔

لیکن یہ سپنا۔۔۔ وہ تو خود اٹھ کر اپنے پیروں سے پنڈت جی کے پاس گئی
ی اور۔۔۔ اور۔۔۔ اس کے بعد۔۔۔ مگر وہ واپس کیسے آ گئی۔۔۔؟ یہ بات اس
ں سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

دن چڑھا تو سرلا دیوی نے عقیدت سے کوری ہنڈیا میں چاول بھرے۔ اس
چالیس روپے رکھے اور پنڈت جی کے دوار چل پڑیں۔

وہ پنڈت جی سے عقیدت رکھتی تھی اور انہیں یقین ہو گیا تھا کہ پنڈت
ضرور انہیں اس بلا سے نجات دلا سکتے ہیں جو کنہیا لال نے ان کے سر پر لا کر مسلط
دی ہے دل میں نہ جانے کیا کیا خیالات لئے وہ اس جگہ پہنچ گئیں جہاں پنڈت جی
ملاقات ہو سکتی تھی۔ اتفاق کی بات تھی کہ ابھی تک کسی نے پنڈت جی کی یہ درگ
نہیں دیکھی تھی وہ بری حالت میں پڑے تھے ایسی چار چوٹ کی مار پڑی تھی کہ چھٹ
دودھ یاد آگیا تھا۔ سارا غرور خاک میں مل گیا تھا۔ راتوں رات بھاگنے کی کوشش
تھی لیکن اس میں کامیاب نہیں ہوئے تھے ریڑھ کی ہڈی میں کوئی ایسی چوٹ لگی
کہ اٹھ کر بیٹھا بھی نہیں جا رہا تھا اسی کیفیت میں سرلا دیوی ان کے پاس پہنچ گئیں

"جے رام جی کی پنڈت۔" سرلا دیوی نے کہا اور پنڈت جی چونک پڑ۔
انہوں نے سرلا دیوی کی صورت دیکھی تو بدن کا درد بڑھ گیا انہیں بھی محسوس
جیسے سرلا دیوی ان پر غور کر رہی تھی۔ کیسے پڑے ہوئے پنڈت جی؟

"دیکھ لوں گا۔ اچھی طرح دیکھ لوں گا تجھے بھی سسری۔ کیا سمجھتی ہے"



ے بھی چھ بھائی ہیں۔ لاٹھیاں لے کر آئیں گے اور کچومر نکال دیں گے ان
وں کا۔ میرے ساتھ چال چلی تو نے۔ کمینی ذلیل۔۔۔"

"میں۔۔۔ میں سرلا دیوی ہوں پنڈت جی۔" سرلا دیوی نے تعجب سے
۔ اس کے ذہن میں خیال آیا تھا کہ شاید پنڈت جی بھنگ کے نشے میں ہیں۔
رت سے زیادہ پی لی ہو گی۔

"میں رام سروپ ہوں۔ دیکھوں گا اچھی طرح دیکھوں گا۔" پنڈت جی ہکلا
بولے۔

"وہ تو آپ ہیں۔ میں چاول اور روپے لائی ہوں۔ آپ کے لئے۔

"اور رات کو جو اپنے یار بھیجے تھے۔ چلی جا سرلا دیوی چلی
۔۔ہائے۔۔۔"

"رام' رام' رام۔۔۔ کیسی باتیں کر رہے ہیں پنڈت جی۔ کیا ہو گیا ہے
ں کو اٹھ کر بیٹھیں۔"

"بن رہی ہے سسری۔ ہائے رام کمر توڑ دی میری۔ دیکھ لوں گا۔ اچھی
ح دیکھ لوں گا۔

"میں جا رہی ہوں۔ نشہ اتر جائے گا تمہارا تو پھر آؤں گی۔"

چنتا مت کر۔ بہت جلدی تیرا نشہ بھی اتر جائے گا اور وہ سسری پریما۔
ں سنبھالے نہیں سنبھالی جا رہی' خود ہی تو میرے پاس آئی تھی۔ پیچھے سے اپنے
لا لائی۔"

"کون پریما؟" سرلا دیوی چونک کر بولیں۔

"تیری بیٹی۔ اور کون۔۔۔"

"کب آئی تھی وہ؟"

"رات کو اور کب۔ میں کہتا ہوں سرلا چلی جا یہاں سے۔ ہائے کمر ٹوٹ گئی
ورنہ ابھی تجھے بتا دیتا۔"

سرلا دیوی پنڈت جی کی بکواس پر سخت حیران تھیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں
رہا تھا کہ پنڈت جی کیا بکواس کر رہے ہیں۔ بھلا پریما کیوں ان کے پاس آنے لگ
دور سے دو آدمی ادھر آتے نظر آئے تو سرلا دیوی وہاں سے کھسک گئیں پنڈت
کے تو حواس درست نہیں تھے۔ اس وقت وہ دوسروں کے سامنے ایسی ہی بکوا
کریں گے اور لوگ ان کی حرکتوں سے واقف ہو جائیں گے اگر کنہیا لال کو ان
کوششوں کا پتہ لگ گیا تو وہ مصیبت کھڑی کر دے گا۔ اس خیال کے تحت وہ وا
چل پڑیں۔ لیکن پنڈت جی کی باتیں ان کے کانوں میں گونج رہی تھیں پھر انہوں
سوچا کہ پریما سے ہی اس بارے میں بات کی جائے۔

گھر پہنچ کر انہوں نے پریما کو ایک جگہ تنہائی میں بلایا اور اسے غور سے
کر بولیں۔

"پریما جو کچھ پوچھوں صاف صاف بتانا۔"

"جی ماتا جی۔۔۔" پریما بولی۔

"رات کو تو۔۔۔ پنڈت رام سروپ کے پاس گئی تھی؟"

"ہاں۔۔۔ ماتا جی۔"

"کیوں گئی تھی؟" سرلا دیوی کا دل دھک سے ہو کر رہ گیا تھا۔

"پنڈت جی نے حکم دیا تھا۔"

یہی کہ ۔ رات کو جب سب سو جائیں تو میں ان کے پاس پہنچ جاؤں
تو آگیا دی تھی ماتا جی۔ کہ پنڈت جیسے کہیں ویسے کروں۔

"پھر۔۔۔ پھر تو گئی تھی ان کے پاس؟"

"ہاں۔۔۔ ماتا جی۔"

"کیا کہا انہوں نے تجھے؟"

"کہا کب تھا ماتا جی۔ کہہ رہے تھے۔"

"کیا کہہ رہے تھے مردار جلدی بتا؟"



"بس میرے کپڑے اتار رہے تھے کہ وہ آ گئے؟"

"کون ۔۔۔ حرام زادی ۔۔۔ کون آ گئے؟"

"لو۔۔۔ میں کیا جانوں۔۔۔ ایک کالا پہلوان تھا' دوسرا گورا اور تیسرا
ا۔ انہوں نے پنڈت جی کو مارنا شروع کر دیا اور ماتا جی اس کے بعد میں واپس
آئی' یہ مجھے نہیں معلوم۔"

"ہائے رام۔۔۔ اس پاپی نے تیرے شریر کو تو ہاتھ نہیں لگایا؟"

"کس پاپی نے۔۔۔ ماتا جی؟"

"ارے اسی رام سروپ نے۔ اسی ہتھیارے نے۔" سرلا دیوی بولیں۔

"نہ جانے تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کل تو وہ بڑے مہان سادھو تھے اور آج
ہو گئے۔"

"ارے مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ ایسا رنگا سیار ہے۔ سچ سچ بتا دے بیٹی۔ اس
تیرے شریر کو تو نہیں چھواء؟"

"اگر وہ لوگ نہ پہنچ جاتے تو نہ جانے کیا کرتا۔ مگر تم نے ہی تو کہا تھا۔"

"وہ میری عقل پر تو پتھر پڑ گئے ہیں۔ ہے بھگوان بچا لیا تو نے مجھے بچا لیا تو
۔" سرلا دیوی سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔ انہیں اپنی بھول کا احساس ہو رہا تھا۔ پھر
ل نے دونوں ہاتھ جوڑ کر پریما سے کہا۔

"پریما بھگوان کے لئے کسی کو مت بتانا۔ اس بارے میں کسی کو کچھ نہیں
۔ ورنہ ماری جاؤں گی بول۔ کسی کو یہ بات بتائے گی تو نہیں؟"

"نہیں بتاؤں گی ماتا جی۔ پریما نے معصومیت سے کہا اور سرلا دیوی کو کچھ
ن ہوا۔ بھگوان نے اسے بچا لیا تھا۔ ورنہ نہ جانے کیا ہو جاتا۔ انہوں نے کان
ے کہ آئندہ کسی سادھو کے چکر میں نہیں پڑیں گی۔ زندگی کے شب و روز یونہی
ی رہے چند دن اور کھسک گئے۔ کنہیا لال کا کاروبار بدستور جاری تھا پراسرار
۔ اس کے گاہک تھے۔ وقت پر آ جاتے مال خریدتے اور رقم ادا کر دیتے۔ اب

ان لوگوں کی حالت بہتر ہوتی جا رہی تھی۔ بے چاری سرلا دیوی پائی پائی جوڑ
تھیں۔

"سب کچھ تھا لیکن چمپا آج بھی ان کے لئے خوف کا باعث تھی وہ اس
محبت نہیں کر سکتی تھیں۔ اسے دیکھ کر ان کے دل میں خوف ابھر آتا تھا اور کیو
ابھرتا جو کچھ وہ دیکھ چکی تھی اسے کیسے نظرانداز کر سکتی تھیں۔ یہ دوسری بات
کہ ان کے گھر کے دوسرے لوگ ان کی کسی بات پر کان نہیں دھرتے تھے۔

کندن لال کی بیٹی کی شادی تھی دروازے پر نوبت رکھی ہوئی تھی را
ڈھول پٹتا رہتا تھا اور اب شادی قریب آ گئی تھی۔ دوسرے دن بارات تھی
لال دور کا رشتہ دار بھی تھا۔ اس لئے لڑکیاں شادی میں دل کھول کر کام کر
تھی۔ جلدی جلدی گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر وہ کندن لال کے گھر چلی
تھیں۔ اس دوپہر کو بھی یہی ہوا۔ باہر تیز دھوپ پڑ رہی تھی۔ کنہیا لال جا چ
سرلا دیوی دھوپ میں اپلے تھاپتی رہی تھیں اس لئے ان کے سر میں درد ہو گ
لڑکیاں بالیاں کاموں سے فارغ ہو کر کندن لال کے گھر چلی گئی تھیں۔ چمپا بھی ا
ساتھ گئی تھی۔

سرلا دیوی ماتھے پر پٹی باندھ کر کوٹھے میں جا لیٹی تھیں ان کے ذہ
بیٹیوں کے بارے میں خیالات گردش کر رہے تھے۔ چھ بیٹیاں، چھ پہاڑ، ان
پر رکھے ہوئے تھے، شکتی تو اب اس قابل تھی کہ جونہی کوئی رشتہ ملے اس
پیلے کر دیئے جائیں، دوسری بچیاں بھی جوان تھیں ایک کے بعد دوسری، لیک
کی آمد اتنی نہیں تھی کہ یہ بوجھ آسانی سے اتر جائے کوئی رشتہ بھی ابھی تک
آیا تھا اور اس قلاش کے دروازے پر کون آتا۔ یہاں کیا رکھا تھا۔ تھوڑے
جڑ رہے تھے لیکن شادی کے لائق رقم ہوتی تو شکتی بوڑھی ہو جاتی۔ کوئی تد
تھی، دور سے کندن لال کے گھر سے شہنائیاں بجنے کی آوازیں ابھر رہی تھیں
دیوی نے گہری سانس لی۔ یہ شہنائیاں ان کے دروازے پر کبھی نہیں بج



وں نے دکھ سے سوچا اور اس وقت چھن چھن کی آواز ان کے کانوں میں گونج
ا یہ آواز کوٹھے کے کونے سے آئی تھی۔ سرلا دیوی اٹھ کر بیٹھ گئیں، وہ متوحش
ہوں سے اس طرف دیکھ رہی تھیں، سونے کے سکے مچل رہے تھے اور پھر ایک غیر
انی آواز ابھری۔

"مجھے نکال لو، پہلا بیٹا، پہلی بہو دے دو، مجھے نکال لو۔" آواز دوبارہ
ری۔

ہائے رام، انہوں نے جلدی سے دونوں پاؤں اوپر اٹھائے جیسے فرش پر
پ رینگ رہے ہوں۔ "مجھے نکالو، مجھے نکالو۔" آواز دوبارہ ابھری۔

"تو مجھے لے لے سسری اور نکل آ۔ میری بیٹیاں تو پار لگ جائیں گی۔" وہ
د بھری آواز میں بولیں۔

"پہلا بیٹا، پہلی بہو۔"

"کوئی نہیں ہے میرا۔ یہاں تجھے تیری مانگ نہیں مل سکے گی، جا، یہاں سے
ا جا، چلی جا یہاں سے، کہیں اور جا، جہاں مایا کے لوبھی ہوں جا یہاں سے چلی جا،
ں کیوں ستا رہی ہے۔"

"مجھے نکال لو، مجھے نکال لو۔" آوازیں ان کے کانوں میں گونجتی رہیں۔"
ا کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئی تھیں۔ اس وقت انہیں باہر کچھ
وازیں سنائی دیں۔ انہیں ان آوازوں سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔

شاید بچیاں آ گئی ہیں۔ انہوں نے سوچا اور ہمت کر کے پلنگ سے نیچے اتر
ئیں دروازہ کھولا اور باہر آ گئیں۔ لیکن برآمدہ سنسان پڑا ہوا تھا۔ باہر کوئی نہیں
ا۔ انہوں نے صدر دروازے کو دیکھا، کنڈی اندر سے بند تھی، شبہ ہو گا میرا۔
ہوں نے سوچا اور واپس پلٹ پڑیں لیکن آواز پھر سنائی دی تھی۔

"بالکل ٹھیک ہوں کوئی پریشانی نہیں ہے۔" اجنبی آواز تھی اور جس طرف
ے آئی تھی وہ سمت بھی معلوم ہو گئی تھی۔ بیرون صحن کا ایک کونہ تھا اور اس

کونے میں وہ موجود تھی۔ اس کی پشت سرلا دیوی کے سامنے تھی۔ ان کے بد
سرد لہریں دوڑنے لگیں۔ وہ تو بچیوں کے ساتھ گئی تھی سب ساتھ. نکلے تے
انہوں نے اندر سے کنڈی لگالی تھی۔ پھر وہ' مگر اس کی آواز' سرلا دیوی کے
میں سرسری دوڑنے لگی۔

"تم بالکل فکر مت کرو' اچھے لوگ ہیں وہ پھر بولی۔ اور پھر چونک کر

"کہاں---؟" اس نے سرلا دیوی کو دیکھا تو سرلا دیوی کی نگاہیں ا
ٹکرائیں۔ انہیں یوں محسوس ہوا جیسے چمپا کی آنکھوں میں سیاہ پتلیاں نہ ہوں
سفید سفید دیدے سے نظر آئے تھے انہیں۔

اس سے زیادہ ہمت سرلا دیوی میں نہیں تھی آج پھر انہوں نے
بولتے ہوئے سنا تھا لیکن وہ کس سے بات کر رہی تھی۔ یہ پتہ نہیں چل سکا کو
نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ کانپتی ہوئی دوبارہ اندر گھس گئیں انہوں نے کوٹھے کی
چڑھا دی پورے بدن میں رعشہ پڑا ہوا تھا۔ خوف سے دل اچھل رہا تھا۔ اس
وہ اکیلی تھی۔ بالکل تنہا اور--- وہ موجود تھی۔ بول رہی تھی۔ کس سے با
رہی تھی۔

انہوں نے گھگھیائی ہوئی آواز میں پویترا اشلوک پڑھنے شروع کر
بری حالت ہو گئی تھی ان کی' کوئی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کان باہر کی آوا
لگے ہوئے تھے اور دفعتا" انہوں نے کوٹھے کے دروازے پر قدموں کی چا
کوئی دروازے کی طرف آ گیا تھا۔ بڑے دروازے کی کنڈی بند تھی۔ پھر آ
اس کے سوا کون ہو سکتا ہے؟

"ہے بھگوان--- ہری رام---" انہوں نے زور زور سے پڑھنا
کر دیا۔ دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔

"کرشنا--- ہری رام"

"ہری رام--- ہری رام۔"



"دستک پھر سنائی دی تھی۔"

"چلی جاؤ' بھگوان کے لئے چلی جاؤ۔" سرلا دیوی کی بھنچتی ہوئی آواز
بھری۔" لیکن دستک اس آواز پر بھاری تھی۔ چلی جاؤ۔ چلی جاؤ۔ وہ چیخیں اور
کوٹھے کے کونے میں سونے کے سکوں کی آواز ابھری۔

"مجھے نکالو۔"

"پھر دستک۔"

"چلی جاؤ۔ ہے بھگوان۔"

"مجھے نکالو۔ مجھے نکالو۔ پہلا بیٹا پہلی بہو۔"

"بچاؤ--- بچاؤ۔" سرلا دیوی چیخیں۔ وہ کبھی کونے سے آتی ہوئی آواز
کی سمت دیکھتی تھی اور کبھی دروازے کی طرف دستک بڑھتی جا رہی تھی۔ اور پھر
دروازے کی زنجیر خود بخود کھلنے لگی۔ وہ ہٹتی چلی جا رہی تھی۔ پھر ایک ہلکی سی آواز
کے ساتھ وہ نیچے لٹک گئی۔

"مجھے نکالو' کونے سے آواز آئی۔"

"بچاؤ۔" سرلا دیوی بدن کی پوری قوت سے چیخیں۔ لیکن ان کی سننے والا
کون تھا۔ کواڑ کھل رہے تھے اور اس کے بعد وہ اندر آ گئی۔ مدھم سی شکل۔ ننھے
ننھے سفید ہاتھ پاؤں۔ لیکن اس وقت اس کی آنکھوں کی پتلیاں اپنی جگہ موجود تھیں
اور چہرے پر معصومیت برقرار تھی۔ اس نے پلٹ کر دروازہ بند کر دیا۔

ہرے رام--- ہرے رام--- ہرے رام--- مر گئی' آج تو مر گئی
آج تو۔ کیا کروں اب کیا کروں۔"

"ماں جی---" ایک معصوم سی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"بول رہی ہے۔ ہائے بول رہی ہے۔"

"ماں جی---" وہ پھر بولی۔

"ارے بچاؤ---" بھگوان کے لئے کوئی بچاؤ۔

"میں آپ کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا رہی ہوں ماں جی۔" اس نے سے کہا۔

"ہائے۔ میں مری جا رہی ہوں اور تو کہہ رہی ہے کہ کوئی نقصان نہیں رہی۔ ارے تو بول بھی رہی ہے۔ جب کہ سب کے سامنے تو گونگی بنی رہی ہے۔'

"میں زیادہ نہیں بول سکتی ماں جی۔"

"کیوں نہیں بول سکتی۔ کس نے منع کیا ہے تجھے' اور وہ کون تھا جس تو باتیں کر رہی تھی؟"

"وہ۔ وہ کوران تھا۔"

"کون تھا"؟

"کوزان؟"

"یہ کیا بلا ہے۔" سرلا دیوی نے پوچھا۔ لیکن اس بات کا اس نے ک جواب نہیں دیا تھا۔ اس وقت مایا کی آواز دوبارہ ابھری۔

"مجھے نکالو۔ مجھے نکالو۔ پہلا بیٹا' پہلی بہو۔"

"یہ کس کی آواز ہے وہ بولی؟" سرلا دیوی کوئی جواب نہیں دے سکی تب وہ آہستہ آہستہ کوٹھے کے اس کونے میں پہنچ گئی جہاں سے آواز آ رہی تھ اس گوشے میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ سرلا دیوی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس ہیولے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کوٹھے سے نکل بھاگیں لیکن خو کی وجہ سے بدن مفلوج ہو گیا تھا۔۔۔ پاؤں اٹھائے نہیں اٹھ رہے تھے۔

دفعتاً" کوٹھے کے گوشے سے ایک چیخ ابھری' ایسی دہشت ناک چیخ کہ دیوی کے دل کی حرکت بند ہونے لگی۔

"چھوڑ دے' چھوڑ دے مجھے پاپی ہتھیارے کون ہے تو۔ میری ماً پوری کر دے ارے میری مانگ پوری کر دے چھوڑ دے دیکھ چھوڑے د۔ مجھے۔"



اور جواب میں ایک معصوم سا قہقہہ سنائی دیا اور ایسا ہی قہقہہ جیسے کسی بچے کو دلچسپ کھلونا مل گیا ہو۔ دوسری آواز کس کی ہے۔ سرلا دیوی نے سوچا۔ کسی عورت کی آواز ہی تھی۔ جو اب بھی بری طرح چیخ رہی تھی۔ لیکن یہ ساری آوازیں باہر نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ پھر کسی سانپ کی پھنکار سنائی دی اور سرلا دیوی کے حلق سے دہاڑ نکل گئی۔

"سانپ..... سانپ بچاؤ..... بچاؤ۔ ارے بچاؤ مجھے وہ چیخ رہی تھی لیکن یہ ساری آوازیں باہر نہیں پہنچ سکتی تھیں۔ اس لئے کسی نے اس کی نہ سنی۔ سانپ کی غضب ناک پھنکاریں عورت کی چیخیں رہائی دینے کا شور اور ان کے درمیان چھپا کے معصوم قہقہے گونجتے رہے۔ سرلا دیوی کو حیرت تھی۔ کہ وہ بے ہوش کیوں نہیں ہو گئیں۔۔۔ اور جب انہیں یہ خیال آیا تو وہ بے ہوش ہو گئیں۔۔۔

نہ جانے کتنی دیر تک بے ہوش رہی تھیں۔ ہوش آیا تو کمر دکھ رہی تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ پلنگ پر آدھی نیچے لٹکی ہوئی تھی۔ سامنے ہی دروازہ تھا اور اس کی کنڈی اندر سے بند تھی۔ گزرے ہوئے واقعات ذہن میں تازہ ہوئے اور انہوں نے دہشت زدہ نگاہوں سے کوٹھے کے تاریک گوشے کی جانب دیکھا۔ گوشے میں کوئی چیز چمک رہی تھی لیکن اس میں کوئی تحریک نہیں تھی۔ وہ کہاں ہے؟ انہوں نے سوچا۔۔۔ باہر تو نہیں گئی۔۔۔ کیونکہ دروازے کی کنڈی اندر سے لگی ہوئی تھی۔ وہ اندر ہی سے گئی کہاں۔

پورے کوٹھے میں نگاہ دوڑائی۔ لیکن کہیں نہیں نظر آئی۔ خوف و دہشت کا احساس پھر ان کے رگ و پے میں سرایت کرنے لگا۔ لیکن انہوں نے خود کو سنبھالا۔ اس وقت ان کی حالت پر غور کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ چیخنے چلانے سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا تھا۔ چنانچہ وہ خود ہی ہمت کر کے اٹھیں' لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے دروازے کی طرف بڑھیں اور اس کے کواڑ کھول دیئے۔ کواڑ کھولنے سے کوٹھے میں روشنی پھیل گئی اور اس روشنی میں انہوں نے کونے میں چمکتے ہوئے اس

ڈھیر کو دیکھا اور ایک بار پھر ان کے حواس جواب دینے لگے۔ یہ ڈھیر سونے کے
سکوں کا تھا۔ دولت کا انبار لگا ہوا تھا۔ قدیم اشرفیاں اور زیورات' لاکھوں روپے
مالیت کے تھے اور ان کے قریب ایک کالا ناگ مردہ پڑا تھا۔

سرلا دیوی کے دل کی حرکت بند ہوتی جا رہی تھی۔ عجیب سی کیفیت سے
دوچار تھیں۔ دولت دیکھ کر دل چاہ رہا تھا کہ اس پر گر پڑیں۔ کالا ناگ دیکھ کر دل
ہول رہا تھا۔ لیکن..... لیکن وہ تو مردہ ہے' دولت کی چمک سارے احساسات
غالب آگئی تھی۔ کہاں سے آئی..... کیسے آئی..... بھول گئیں..... سانپ کو دیک
اور اس کی دم پکڑ کر دور پھینک دیا' اور اس کے بعد وہ سکوں کے اس ڈھیر پر گ
گئیں انہیں مٹھیوں میں بھر کر نیچے گرانے لگیں اور ان کی کھنک سے لطف اندو
ہونے لگی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ وہ ہوش میں ہیں۔ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں' اور و
خواب نہیں دیکھ رہی ہیں۔

"مایا باہر نکل آئی' شکتی کے پتا..... مایا باہر نکل آئی....." انہوں نے بھنچی
بھنچی آواز میں کہا اور پھر ان کے ذہن میں دوسرے خیالات آنے لگے..... ا
محفوظ کیا جائے' دنیا کی نگاہوں سے چھپایا جائے' کہاں' کیسے؟

گھر میں جتنے ٹرنک تھے اور ان میں جو الا بلا بھری ہوئی تھی انہوں نے باہ
نکال پھینکی اور سفید سے سکے ان بکسوں میں بھرنے لگیں۔ زیورات الگ کر کے رکھ
دیئے' پھر یہ وزنی صندوق انہوں نے تلے اوپر رکھے لیکن پھر اس تشویش کا شکار ہو
گئیں کہ یہ یہاں غیر محفوظ ہیں پھر انہیں کہاں رکھوں؟ کوئی ترکیب سمجھ میں نہیں
آئی تھی تب انہوں نے انہیں اپنی جگہ رہنے دیا اور ان پر کپڑے ڈال دیئے لیکن یہ
کپڑے' کوئی انہیں دیکھے گا تو کیا کہے گا۔ انہوں نے کپڑے صندوقوں پر سے ہٹا
دیئے وہ بری طرح پریشان تھیں۔ تبھی باہر سے دستک سنائی دی اور وہ اچھل
پڑیں..... ایک دم ان کی آنکھوں میں خوف ابھر آیا انہوں نے جلدی سے باہر نکل
کر کوٹھے کا دروازہ بند کر دیا اور بڑے دروازے کے پاس پہنچ گئیں۔



"کون ہے' کون ہے؟" وہ خوفزدہ لہجے میں بولیں۔
"دروازہ کھولیں ماتا جی ہم ہیں۔" باہر سے روپا کی آواز سنائی دی اور
ں نے گہری سانس لے کر دروازہ کھول دیا۔ لڑکیاں لائن سے اندر داخل ہو
یں اور ان کے درمیان وہ بھی تھی' ویسی ہی معصوم' ویسی ہی خاموش' سرلا دیوی
ل دھک سے ہو گیا۔ کنڈی اندر سے بند تھی وہ اندر تھی' پھر باہر کیسے نکل گئی۔
لیکن یہ وقت ایسی باتیں سوچنے کا نہیں تھا انہوں نے اس پر سے نگاہیں ہٹا
کوٹھے کی طرف لپکیں پھر ٹھٹھک کر رہ گئیں اور لڑکیوں کو گھورنے لگیں۔ "آ
یں تم لوگ"؟
"ہاں ماتا جی۔"
"ابھی کیوں آ گئیں۔۔۔ انہوں نے کہا۔"
"تم کیا کر رہی تھیں۔ ماتا جی؟" شکتی نے پوچھا۔
"میں کیا کر رہی تھی۔ کچھ بھی نہیں۔ بھگوان کی سوگند میں تو کچھ نہیں کر
ی تھی۔" وہ بوکھلا کر بولیں اور شکتی حیرت سے ماں کو دیکھنے لگی۔ پھر کسی خیال
تحت اس نے کہا۔
"کیا پنڈت رام سروپ جی آئے ہوئے ہیں؟"
"ارے لعنت بھیجو اس موئے پر۔ وہ اب اس گھر میں کیسے آئے گا۔ تم
ل جاؤ۔۔۔ کندن لال کیا سوچے گا۔"
"میں تو دیدی سے کہہ رہی تھی ماتا جی کہ ابھی رکو۔۔۔ مگر وہ بولیں کہ ماتا
ناراض ہوں گی۔۔۔ چلو تھوڑی دیر کے لئے گھر چلتے ہیں' پر یہ بولیں۔
"نہیں نہیں۔۔۔ شادی بیاہ کی بات ہے۔ آج اس کے ہاں۔۔۔ کل
ارے ہاں۔۔۔ جاؤ۔۔۔ تم لوگ جاؤ۔۔۔ میں نہیں ناراض ہوں گی۔"
"بات کیا ہے۔۔۔ ماتا جی۔۔۔ کیا ہو گیا آپ کو شکتی تعجب سے بولی؟"
"پاگل ہوئی ہے تو۔۔۔ بھلا مجھے کیا ہوا؟"

"کچھ ہوا ضرور ہے ماں جی۔"

"اچھا بک بک مت کر۔۔۔ جا کندن لال کے ہاں جا۔"

"ابھی وہاں کوئی کام نہیں ہے۔ پھر چلی جاؤں گی۔"

"چلی جاؤں گی۔ تھوڑی دیر میں۔ ابھی آئے ہیں دوبارہ جاتے ہوئے نہیں لگے گا۔۔۔" شکتی نے کہا اور کوٹھے کی طرف بڑھ گئی۔"

"ارے کہاں جا رہی ہے۔۔۔ کہاں جا رہی ہے تو....." سرلا دیوی کو کی طرف لپکیں۔ شکتی باہر سے بند کنڈی دیکھ چکی تھی۔ ان کے ذہن میں ؑ عجیب خیالات آنے لگے۔

"کپڑے بدلوں گی ماں جی....." اس نے کہا۔

"ٹھیک تو ہیں کپڑے..... کیا خرابی ہے ان میں۔" سرلا دیوی بولیں شکتی کے شکوک جڑ پکڑتے گئے۔۔۔ اس نے دوسری لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا

"تم لوگ اگر جانا چاہو تو چلی جاؤ۔"

"گھر۔ میں تھوڑی دیر میں آؤں گی۔"

"جائیں دیدی بچیاں خوش ہو کر بولیں۔"

"ہاں جاؤ۔"

"آؤ چمپا چلیں۔۔۔" پری نے چمپا کا ہاتھ پکڑ کر کہا اور اس وقت دیوی کی نگاہ چمپا کی طرف اٹھ گئی۔۔۔ انہوں نے اس کے ہونٹوں پر معنی مسکراہٹ دیکھ لی تھی۔ ہاں:۔ وہ بڑے عجیب انداز میں مسکرا رہی تھی۔ سرلا د نے خوفزدہ ہو کر اس کے چہرے سے نگاہ ہٹالی' پری اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ تھی۔ لڑکیوں کے باہر نکل جانے کے بعد اس نے بڑے دروازے کی کنڈی لگا تھی اور پھر اس کی طرف دیکھ کر بولی۔۔۔

"ہاں ماتا جی۔۔۔ اب بتائیں۔"

"کیا بتاؤں آخر؟"



"کوٹھے میں کون ہے؟"

"کیا۔۔۔؟ کوئی نہیں ہے۔ تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟"

"ماں جی۔۔۔ میرا دماغ خراب نہیں ہے مگر ہو جائے گا آج۔" شکتی نے ا اور کوٹھے کی طرف بڑھ گئی۔

"میں منع کر رہی ہوں تجھے سنتی نہیں ہے۔" سرلا دیوی غرائیں۔

"ہاں۔۔۔ نہیں سنتی۔۔۔ کوٹھے کا دروازہ کھولو ماتا جی۔" شکتی کو نہ جانے ا ہو گیا تھا۔ اس کے لہجے پر سرلا دیوی دم بخود ہو گئیں۔ پھر انہوں نے شکتی کو رکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔۔۔ شکتی نے دروازہ کھول دیا اور متجسس نگاہوں ے کوٹھے میں چاروں طرف دیکھا۔ صندوقوں کے کپڑے باہر بکھرے ہوئے تھے اس ے علاوہ کوئی خاص بات نہیں تھی۔۔۔ اس کے دھڑکتے ہوئے دل کو قرار آگیا۔

"یہ کپڑے کیوں بکھرے ہیں ماتا جی؟"

"میں کہتی ہوں تو کیا سمجھ رہی تھی؟" سرلا دیوی بھی اب سنبھل گئی تھی۔ یں احساس ہوا کہ وہ بلاوجہ حماقت کر رہی تھیں۔

"کچھ بھی نہیں سمجھ رہی تھی ماں جی۔ بس یہ خیال تھا کہ آپ نے پنڈت م سروپ جی کو اندر گھسیٹر رکھا ہے۔ ماتا جی۔ بھگوان کی سوگند وہ سادھو کے روپ ا شیطان معلوم ہوتا تھا۔"

"تو میرے اوپر شک کر رہی تھی۔ کمینی چنڈال میری جنی مجھ کو لجائے شرم ں آتی تجھے۔"

آپ باتیں ہی ایسی کر رہی تھیں۔ ماتا جی شما کر دیں مجھے۔ مگر یہ کپڑے ں نکال پھینکے۔"

"دھوپ لگانے کے لئے۔ خالی بیٹھی تھی۔ میں نے سوچا کہ کپڑوں کو دھوپ لگا لوں۔"

"مگر اب تو دھوپ ڈھل رہی ہے۔"

"پھر بھی کافی ہے۔ چل انہیں باہر ڈال۔" سرلا دیوی نے سوچا تھ
ترکیب کارگر رہی۔ شکتی خود بھی شرمندہ تھی۔ خواہ مخواہ ماتا جی کے بارے میں
بری بات سوچی۔ مگر نہ جانے انہیں کیا ہو گیا ہے۔ کوئی بات ضرور ہے۔ اس
ذہن میں تجسس برقرار رہا۔ کپڑے باہر ڈالتے ہوئے بھی وہ اس بارے میں
رہی۔ مگر کوئی بات سمجھ نہ آئی۔۔۔ اس کے بعد اس نے پورے گھر کی تلاشی لی
پھر مطمئن ہو گئی۔ کوئی خاص بات نہیں تھی۔

"اب میں جاؤں ماتا جی؟"

اور دیکھ لے۔ گھر میں کوئی چھپا نہ ہو۔۔۔ دیکھ لے۔۔۔ دیکھ لے۔۔

"معاف کر دیں ماتا جی۔ میں جا رہی ہوں۔" اس نے مسکراتے ہو۔
اور چلی گئی۔ اور اس کے باہر نکلتے ہی سرلا دیوی نے جلدی سے کنڈی چڑھا دی
اور پھر وہ دوڑتی ہوئی کوٹھے میں گھس گئیں۔ بڑی خیریت ہو گئی۔۔۔ شکتی کی
سانپ پر نہیں پڑی تھی۔۔۔ ورنہ..... ورنہ نہ جانے کیا ہوتا۔ انہوں نے
سے سب سے اوپر والے صندوق کو کھول کر دیکھا۔ سکے موجود تھے۔ نیچے کے
بھی انہوں نے ہلا کر دیکھے۔ سب کے سب وزنی تھے۔ انہوں نے سکون کی
سانس لی۔ پیٹ میں کھولن ہو رہی تھی ورنہ ان کے پیٹ میں تو کچھ نہیں ر
تھا۔ کسی سے کہنا ضروری تھا۔ اس کے بنا کام کیسے چلے گا۔ کنہیا لال کے سوا او
تھا جسے رازدار بنایا جا سکتا۔

وہ بے چینی سے کنہیا لال کا انتظار کرنے لگی کوٹھے کا دروازہ بند ک
برآمدے میں آ بیٹھیں نہ جانے کس طرح شام ہوئی اور پھر باہر کنہیا لال کی
سنائی دی۔ انہوں نے دوڑ کر دروازہ کھول دیا تھا۔

کنہیا لال اندر آ گیا اس نے حسب معمول پچاس روپے سرلا دیوی کے
پر رکھے اور منہ ہاتھ دھونے چلا گیا۔ سرلا دیوی پریشان سی اس کے پاس آ
ہوئیں۔ کنہیا لال نے غور نہ کیا۔ وہاں سے اٹھ کر وہ بھٹے کی راکھ درست کر۔



بھی وہ اس کے پیچھے تھیں۔ بھٹے سے ہٹ کر وہ چاک کے لئے مٹی اکٹھی کرنے
ب بھی سرلا دیوی اس کے نزدیک تھیں۔

"کیا بات ہے۔ ایں۔ کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"ہاں۔" سرلا دیوی کے منہ سے نکلا اور کنہیا لال کے ہاتھ رک گئے۔

"کیا ہو گیا۔۔۔ بچیاں کہاں ہیں۔۔۔"

"کندن لال کے گھر۔"

"پھر کیا بات ہوئی۔"

"یہاں آؤ۔۔۔ میرے ساتھ اندر آؤ....." سرلا دیوی نے کنہیا لال کا ہاتھ
یا اور کنہیا لال انگوچھا سنبھالتا ہوا حیران سا اس کے ساتھ کوٹھے میں داخل ہو گیا
اس کی آنکھوں سے حیرت جھانکنے لگی۔ سرلا دیوی اسے کوٹھے میں لے گئیں
ھر انہوں نے اوپر رکھے ہوئے صندوق کا ڈھکن کھول دیا۔ تاریک کوٹھے میں
ں پھیل گئی۔

کنہیا لال تھوڑی دیر تک تو صورتحال سمجھ ہی نہیں سکا لیکن جب یقین ہو
، آنکھوں کو دھوکا نہیں ہو رہا تو وہ پاگلوں کی مانند مایا کے اس ڈھیر کے پاس پہنچ
ں نے قدیم سکے زیورات اور قیمتی پتھر اٹھا کر دیکھے اور اس پر دیوانگی کی سی
ت طاری ہو گئی۔

"یہ..... یہ سب کہاں سے آیا شکتی کی ماں۔ یہ سب کہاں سے آیا؟"

"ذرا دیکھو میری آنکھیں تو ٹھیک ہیں میرا دماغ تو ٹھیک ہے، میں الٹی
ا باتیں تو نہیں کر رہا۔ شکتی کی ماں، شکتی کی ماں، جلدی سے بتا؟"

"سب کچھ ٹھیک ہے ناتھ۔ مایا باہر آ گئی ہے اور مایا کا سانپ مر گیا ہے۔"

"ہے بھگوان ہمارے تو دلدر دور ہو گئے۔ اری شکتی کی ماں چھپا لے۔ چھپا
لدی سے۔ کوئی دیکھ نہ لے۔ بستی والے چور ہیں۔ سب کے سب سسرے
ا۔ لڑکیاں کب آئیں گی۔ بچیاں ہیں۔ انہیں پتہ نہ چلنے پائے کسی سے کہہ

دیں گی اور بات سارے میں پھیل جائے گی۔ تو جلدی سے جا اور بچیوں سے کہنا
گھر واپس نہ آئیں جلدی جا شکتی کی ماں۔"

"ہوش میں آؤ ناتھ۔ کوئی کام کی بات کرو میں خود پریشان ہوں' پہلے
سانپ کو پھینک دو اور پھر اسے چھپانے کی ترکیب سوچو۔"

"ارے کیا سوچوں شکتی کی ماں۔ کیا سوچوں میری تو عقل خراب ہو گ
کہاں ہے سانپ۔ کہاں ہے۔" کنہیا لال نے کراہتے ہوئے کہا۔

سرلا دیوی نے اسے سانپ دکھایا۔ کنہیا لال نے مردہ سانپ کی دم
اور گھر سے نکل گیا اسے کہیں دور پھینک کر وہ دوبارہ واپس آگیا تھا۔

"اب بول کیا کروں؟ بول اب کیا کروں؟"

دولت چھپانے کے منصوبے بننے لگے۔ بالآخر طے کیا گیا کہ اسے برتن
کے بھٹے میں چھپا لیا جائے اور کنہیا لال انتہائی محنت سے یہ کام کرنے لگا۔ ا
انتہائی مہارت سے یہ تمام چیزیں کچے برتنوں میں چھپائیں اور یہ برتن بھٹے
دیئے۔ لڑکیاں ابھی تک واپس نہیں آئی تھیں۔

سنہری دولت کے انبار کنہیا لال نے کچے برتنوں میں بھر کر اس طر
میں چن دیئے جیسے وہ برتن پکانے کے لئے بھٹے میں رکھتا تھا۔ البتہ اس نے
وغیرہ وہاں سے دور رکھ دی تھیں کہ کہیں کوئی لڑکی ان میں آگ نہ لگا د
اسے خیال آیا کہ جب لوگ یہ دیکھیں گے کہ برتن تو بھٹے میں چنے ہوئے
لکڑیاں ان میں نہیں لگی ہوئیں تو وہ کیا سوچیں گے' اس نے سرلا دیوی کو
اپنا مقصد بتاتے ہوئے کہا۔

"سن بھاگوان' کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لڑکیاں لکڑیوں میں آگ لگا
سب کچھ جل کر بھسم ہو جائے۔"

"ہائے رام۔ ایسی باتیں نہ کریں۔ کیسی باتیں منہ سے نکالتے ہ
دیوی نے کہا۔



"میں تو بری بات نکال رہا ہوں منہ سے۔ پر تو بھی سوچ نگرانی کر سکے گی
ں کی۔"

"کیوں نہ کروں گی اور پھر لڑکیاں اتنا کام کہاں کرتی ہیں' میں خیال رکھوں
' تم اس کی چنتا نہ کرو۔"

"ٹھیک' ٹھیک ہے۔ اب میں اس کا سامنے کا حصہ کچی مٹی سے بھر دیتا ہوں
ہ لوگوں کو یہ سب کچھ نظر بھی نہ آئے۔ تو ذرا سی مٹی گوندھ دے۔" کنہیا لال
نے کہا اور سرلا دیوی جلدی جلدی مٹی گوندھنے لگی۔ اس دوران لڑکیاں واپس آ
ئیں۔ چمپا بھی ان کے ساتھ تھی' سرلا دیوی کے ہاتھ ایک لمحے کے لئے رکے۔
لمحے کے لئے ان کے بدن میں سرد لہریں دوڑ گئیں' لیکن پھر انہوں نے خود کو
ھال لیا۔ غور کرنے پر احساس تو ہوتا تھا کہ یہ جو کچھ ہوا تھا' چمپا کی وجہ سے ہوا
' وہ جیسی بھی سہی' مگر ان کی تقدیر بدلنے میں معاون رہی تھی' چنانچہ سرلا دیوی
دن جھکا کر اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔ لڑکیاں ہنستی ہوئی ادھر ہی آ گئی
ں۔

"ارے' ارے آج تو شام میں سورج نکل آیا ہے' ماتا جی۔" شکتی نے
ا۔

"کدھر ری' کہاں۔" سرلا دیوی آسمان کی جانب دیکھنے لگیں۔

"آکاش پر نہیں' دھرتی پر کہہ رہی ہوں ماتا' آپ پتا جی کے ساتھ کام کر
ا ہیں؟" شکتی نے شرارت سے کہا اور سرلا دیوی اسے گھورنے لگی۔

"میں نہیں کرتی تو کیا تو کرتی ہے اپنے پتا کے ساتھ کام۔ میں نہیں کروں گی
ھر اور کون کرے گا۔"

"ہائے رام۔ آج ماتا جی کو یہ بات یاد آگئی کہ وہ کنہیا لال جی کی دھرم پتنی
ا۔" شکتی نے کہا۔

"جاتی ہے یا.....؟" سرلا دیوی نے مٹی کا لوندا اٹھایا اور شکتی ہنستی ہوئی

بھاگ گئی۔ اس نے اس وقت بھی چمپا کا ہاتھ نہیں چھوڑا تھا۔ وہ چمپا سے بہت
کرتی تھی۔ سرلا دیوی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔۔۔ پھر کہا۔
"یہ لڑکیاں..... یہ لڑکیاں۔ کنہیا جی۔ اب تو..... اب تو ہمارے سر
دلدر دور ہو گئے۔"
"خاموش رہ، بھگوان کے لئے خاموش رہ۔ تو عورت ذات ہے اور ع
ذات پیٹ کی ہلکی ہوتی ہے۔ سارے محلے کو نہ بتاتی پھرنا کہ ہم دولت مند ہ
ہیں۔ میں کہتا ہوں شکتی کی ماں اپنی زبان بالکل بند رکھ کوئی بات نہ نکلنے پائے
منہ سے۔"
"نہیں نہیں میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گی، تم چنتا نہ کرو بس جلد
اٹھ جاؤ ورنہ کہیں لڑکیوں کو فکر نہ ہو جائے۔"
"ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے اب میرا کام ہو گیا ہے۔ لا اب یہ لکڑیاں
یہاں چن دے۔ کنہیا لال نے کہا اور لکڑیاں چننے کے بعد وہ دونوں وہاں س
آئے۔ نانہ میں رکھے ہوئے پانی سے ہاتھ دھوئے اور پھر دونوں اندر چلے
لڑکیوں سے انہوں نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ دونوں کی حالت عجیب ہو رہی
انہوں نے بھی توجہ نہیں دی اور اپنے کاموں میں مصروف رہیں، رات ک
لڑکیاں کھانا کھا کر آئیں تھیں۔ مگر ان دونوں کو بھوک نہیں لگ رہی تھی
دونوں اپنے کمرے مین پڑے ایک دوسرے کی صورت دیکھ رہے تھے۔۔۔
لال نے کہا۔
"شکتی کی ماں۔ بھگوان کی سوگند۔ کیا یہ سب کچھ سچ ہے، کیا یہ سب
ہے کہ یہ ساری دولت ہماری ہی ہے۔ کیا ہم اب اتنے امیر ہو گئے ہیں؟"
"ہاں، بھگوان کی دیا سے ایسا ہی ہوا ہے۔" سرلا دیوی نے مسکرات
کہا۔
"مگر، مگر اب یہ سوچ کریں گے کیا۔ ہم اسے خرچ کیسے کریں گے



ں کو؟ یہ تو بڑی پریشانی کی بات ہے۔۔۔" کنہیا لال فکر سے بولا۔
"اس میں پریشانی کی کیا بات ہے، ایک حویلی بنوائیں گے اور اس میں نوکر
ں گے۔ میں مالکن کہلاؤں گی۔ اور تم مالک! اس کے بعد ہم ان چھیوں بیٹیوں
، کالا کر دیں گے۔"
"کیا بک رہی ہے؟"
"میرا مطلب ہے کہ ان کے ہاتھ پیلے کر دیں گے، کہیں نہ کہیں تو بر ملے گا
ب تو ضرور ملے گا۔ پہلے تو شکتی کا بیاہ کرنا۔ مگر سن پہلے تو ہمیں اپنے لئے کچھ
ے بھی تو بنوانے ہوں گے۔ اگر ہم حویلی میں رہیں گے تو حویلی والوں کا سا حال
انا پڑے گا۔"
"واہ رادھے شیام کی حویلی۔ ہوں۔ وہ میرے سامنے کیا حیثیت رکھتا ہے
ولت میں اس جیسی دس حویلیاں بن سکتی ہیں۔ شکتی کی ماں۔" کنہیا لال نے

"ہوں۔ تو اب تم ساری دولت سے حویلیاں ہی بنواتے رہو گے؟"
"سمجھا کر تو۔ مقابلہ رادھے شیام سے ہے، رادھے شیام سے۔ دیکھ لوں گا
بندار بنتا ہے۔ میں بھی اس کے اطراف کی ساری زمینیں نہ خرید لوں تو میرا نام
یا لال نہیں، کنہیا لال۔"
"بس زیادہ شیخ چلیوں کی سی باتیں نہ کرو۔" سرلا دیوی نے کہا اور کنہیا لال
ں ہو گیا۔
باہر تھوڑی سی آہٹ سنائی دی تھی، شاید کوئی سوکھا پتا اپنی جگہ سے
اتا ہوا سرک گیا تھا۔ کنہیا لال اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے خوفزدہ ہو کر کہا۔
"کیا ہوا۔ یہ کیسی آواز ہے۔ ذرا باہر نکل کر تو دیکھیں بھگوان جانے۔"
"آواز۔" سرلا دیوی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔
"ذرا میری لاٹھی تو دینا۔" اور سرلا دیوی نے جلدی سے ایک لاٹھی اٹھا کر

اس کے ہاتھ میں دے دی۔

"آؤ ذرا باہر دیکھیں۔"

"نہیں ناتھ مجھے تو ڈر لگتا ہے۔"

"اری پاگل جیون بھر ساتھ نبھانے کے لئے پھیرے کئے تھے، کس وقت میں اب ساتھ چھوڑ رہی ہو۔"

"نہیں، نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" اور دونوں لڑھکتے ہوئے باہ
میں آ گئے کونوں کھدروں میں دیکھا پورے صحن میں دیکھا اور بھٹے کے پار
بھٹے میں جھانکا، پھر لکڑیوں کو اٹھا کر دیکھا اور پھر کسی قدر سکون ہو گیا۔

"کوئی نہیں ہے، شاید کوئی پتا کھڑکا تھا۔" کنہیا لال نے گہری گہری س
لیتے ہوئے کہا۔

"تم یونہی کہہ رہے تھے۔ کہ کوئی چاپ سنائی دے رہی ہے۔ چلو کوئ
ہے آؤ تھوڑی دیر سو جائیں" اور دونوں خاموشی سے سونے کی کوشش کرنے
لیکن نیند دونوں میں سے کسی کی آنکھوں میں نہیں تھی۔

تین ساڑھے تین بجے ہوں گے کہ کنہیا لال پھر اپنی جگہ سے اٹھا۔
ہاتھ میں لی اور آہستہ آہستہ رینگتا ہوا باہر آ گیا اس کی بیوی بھی جاگ رہی تھ
چند کہ دونوں نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ لیکن دونوں یہ ظاہر کر رہے تھے ک
رہے ہیں۔ کنہیا لال باہر آ گیا۔ تو سرلا دیوی بھی اس کے پیچھے پیچھے باہر آ گئیر
لال نے بھٹے کے چاروں طرف ایک چکر لگایا۔ پھر واپس جانے کے لئے اند
سرلا دیوی پر نگاہ پڑی۔

"کیا دیکھ رہے تھے؟"

"وہ کچھ نہیں بس۔ نیند نہیں آ رہی تھی۔"

"چلو سو جاؤ۔ یہ تو اچھی بات نہیں ہے کہ دولت آ گئی تو نیند
گئی۔" سرلا دیوی نے کہا اور اس کے بعد دونوں آ کر پلنگ پر لیٹ گئے۔ لیک



وال تھا وہ دونوں رات کی ایک ایک گھڑی گنتے رہے پھر صبح ہو گئی۔

"میں اشنان کے لئے جاتا ہوں۔ تو رسوئی میں جا، مگر دیکھ سب کو ہدایت کر
کہیں لکڑیوں میں آگ نہ لگا دیں۔"

"ٹھیک ہے میں سمجھا دوں گی۔" سرلا دیوی نے کہا اور کنہیا لال اشنان
نے چلا گیا۔ گھاٹ پر صبح کا اشنان ہو رہا تھا۔ ٹھاکر بنواری لال نے کنہیا لال کو
تو حیرت سے منہ کھول کر رہ گیا۔

"ارے کنہیا تو۔۔۔ تو آج کیسے گھاٹ پر نظر آ رہا ہے۔ بھئی ہم نے تو
ا بعد تیری شکل دیکھی ہے۔ بس پچھلے سال ہولی پر تیری بھینٹ ہوئی تھی۔"

"ہاں ٹھاکر صاحب۔ کنہیا لال کے دونوں ہاتھ ماتھے تک پہنچ گئے پھر جلدی
اس نے اپنے ہاتھ نیچے گرا لئے۔ اس کو کیا ضرورت تھی کہ بنواری لال کو پرنام
ے۔ ٹھاکر بنواری لال کو پرنام کرنے کا مطلب یہ تھا کہ جیسے وہ کوئی نیچ آدمی ہو۔
اب وہ نیچ آدمی تو نہیں ہے۔ ٹھاکر بنواری لال جیسوں کو تو وہ دس بار خرید سکتا
اب تو دولت ہے اس کے پاس اس نے مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

کہ "بنواری لال کاروبار میں الجھا رہتا ہوں آج کل۔" اس کا لہجہ ایک دم
گیا جس پر بنواری لال کو حیرت ہوئی اور انہوں نے تعجب سے کنہیا لال کو دیکھا
ہنس پڑے۔

"وہ بھئی واہ، سنو گوپال جی۔ ادھر آؤ یہ اپنے کنہیا لال کو دیکھو۔ اس کے
بار کے بارے میں ذرا پوچھو اس سے۔ آج کل یہ کاروبار میں پھنسا رہتا ہے۔
برتن بنا لیتا ہے۔ آج کل روزانہ؟"

"ہوں۔" کنہیا لال نے گردن ٹیڑھی کر کے کہا۔ "برتن بنا بنا کر اتنی دولت
کر لی ہے، میں نے کہ آپ جیسی چھ دوکانیں کھول سکتا ہوں۔ اور پھر گوپال جی
پڑے۔ پھر بولے۔

"واہ بھئی۔ اس کا مطلب ہوا کہ آج تو کمہاروں کے بڑے ٹور ہو گئے

ہیں۔ برتن بنانے سے بھی کیا اتنی دولت جمع ہو سکتی ہے؟"
"مگر اس کا لہجہ تو دیکھو گوپال جی۔ لگ رہا ہے جیسے گاؤں کا مکھیا ہو گیا
ٹھاکر بنواری لال کو کنہیا کی یہ بات پسند نہ آئی۔ بھلا ایک معمولی کمہار اور انہیں
نہ کرے۔ ٹھاکر صاحب کے بجائے انہیں بنواری لال کہہ کر پکارے۔ بڑی عجیب
تھی۔

ٹھاکر صاحب نے کڑی نگاہوں سے اسے دیکھا اور گوپال جی کے ساتھ
کرنے کے لئے ایک طرف چلے گئے۔ دوسری طرف کنہیا لال نہاتے ہوئے
تھا کہ ٹھاکر بنواری لال ہوں گے اپنے گھر کے۔ کیا ہے۔ بس ایک دکان ہی تو
کے پاس میں چاہوں تو اس جیسی دس دوکانیں بنوا سکتا ہوں۔

"ارے کنہیا۔۔۔ آج گھاٹ پر کیسے آگیا۔ تو تو ہولی دیوالی پر ہی
ہے کسی اور شناسا نے کہا۔

"وہ بھی برتن بیچتا ہوا۔" دوسرے نے لقمہ دیا۔

"چوری کرتا تو نظر نہیں آتا۔ ڈاکے ڈالتے تو نظر نہیں آتا۔ محنت
امیر ہو گیا ہوں تم لوگ کیوں جل رہے ہو آخر۔۔۔" کنہیا لال بگڑ کر بولا او
شناسا حیران رہ گئے۔ کنہیا لال تو منکسر المزاج اور نرم طبیعت کا انسان تھا۔ اس
کبھی کسی سے تلخ لہجے میں بات نہیں کی تھی۔ یہ اسے کیا ہو گیا۔

"کیا دیکھ رہے ہو مجھے تک۔ کیا میں نے دولت کی کوئی بات کر دی
کنہیا لال نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔ "پھر تو ایسی باتیں کیوں کر رہا ہے۔"

"ہاں، بس میری طبیعت کچھ خراب ہے، رات بھر نیند نہیں آئی،
دھڑکا لگا رہا کہ لکڑیوں میں آگ نہ لگا دے کوئی۔"

لکڑیوں میں آگ لگا دے؟"

"میرا مطلب ہے۔ کوئی، ارے نہیں بھئی میرا مطلب کچھ نہیں۔
میں تو چلتا ہوں۔ جے رام جی کی۔" کنہیا لال نے کہا اور تیزی سے واپس



ں نے ٹھیک سے اشنان بھی نہیں کیا تھا۔

"دوسری طرف کنہیا لال کو جاننے والا اس کے بارے میں چہ میگوئیاں
رنے لگے۔ تم نے دیکھا رام، کنہیا لال کیسی باتیں کر رہا تھا۔

"کچھ ہو گیا ہے بے چارے کو۔"

"ہے رام، چھ بیٹیوں کا غریب باپ ہے، جوان بیٹیوں کا بوجھ کمر توڑ دیتا
ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے پریشانیوں نے اس کے حواس چھین لئے ہوں۔"

"ایسا ہی لگتا ہے۔"

"کس کے بارے میں بات کر رہے ہو رام سہائے؟"

"ٹھاکر صاحب، بے چارے کنہیا کا دماغ الٹ گیا ہے، بہکی بہکی باتیں کر رہا
ا ابھی آدھا اشنان کر کے بھاگ گیا۔"

"ارے دماغ الٹ گیا ہے اس کا۔ یہی تو میں کہوں بڑی عزت کرتا تھا میری
بات یہ ہے۔ پھر تو افسوس کی بات ہے۔ اب بے چارے کا گزر کیسے ہو گا۔" ٹھاکر
اری لال نے کہا اور سب لوگ اس بات پر حیرت کرنے لگے۔

❀❀❀

"اتنی جلدی آ گئے شکتی کے پتا۔" سرلا دیوی نے کنہیا لال کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ری' یوں لگ رہا ہے' جیسے سب کو ہمارے بارے میں معلوم ہو گیا ہے تو نہیں سمجھتی لوگوں میں زیادہ بیٹھنا اٹھنا اچھا نہیں ہوتا۔ سب تاڑ جاتے ہیں سسر۔ پر میں بھی بے وقوف نہیں ہوں۔ لا بھوجن لے آ جلدی سے بڑے زور کی بھوک لگ رہی ہے۔"

"ابھی سے۔ ابھی بھوجن کا سے کہاں ہوا۔ لڑکیوں کو جگاتی ہوں۔ سنو! اب مجھ سے یہ چکی نہیں پیسی جاتی کوئی اپائے کرلو۔"

"کرلیں گے' کرلیں گے۔ ایک چکی لگوالیں گے۔ آٹا پیسنے کی۔ جو بجلی۔ چلتی ہے۔" کنہیا لال نے کہا۔

"آٹا پیسو گے کیا بستی بھر کا۔۔۔ تمہارا تو دماغ خراب ہو گیا ہے۔ شکتی کے پتا۔"



"اچھا بک بک مت کر رسوئی میں جا۔ کچھ پکا کرلا۔" کنہیا لال نے کہا۔ اور سرلا دیوی کراہتی ہوئی رسوئی کی طرف بڑھ گئی۔ درحقیقت انہیں احساس ہو رہا تھا کہ ساری زندگی انہوں نے شدید محنت کی تھی۔ سارے ہاتھ خراب ہو گئے تھے۔ کبھی یہ روئی کی طرح نرم تھے لیکن اب تو یہ گھوڑے کی مالش کرنے والے کھریرے بن گئے تھے۔ رسوئی میں بھوجن بناتے ہوئے بھی وہ ساری زندگی اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے بارے میں سوچتی رہیں اور پھر انہوں نے اس وقت چند فیصلے کئے۔

اس وقت کنہیا لال بھوجن کر رہا تھا جب کسی نے دروازے پر دستک دی۔ سرلا دیوی دروازے پر چلی گئی تھی۔ باہر رام سہائے کھڑے ہوئے تھے۔

"جے رام جی کی بھابھی جی' کنہیا گھر میں ہے؟"

"ہیں رام بھیا۔ بلاؤں۔ بھوجن کر رہے ہیں۔"

"طبیعت تو ٹھیک ہے اس کی؟"

"ہاں ٹھیک ہے بالکل۔"

"صبح کو وہ اشنان کرنے گیا تھا؟"

"تو پھر کیا ہوا۔"

"میرا۔ میرا مطلب ہے وہ کام پر نہیں گیا؟"

"کوئی بات ہے رام سہائے جی؟"

"کام پر کب سے نہیں جا رہا۔ تم تو بہت پریشان ہو گی بھابھی جی۔"

"میں پریشان ہوں۔ نہ ہوں تمہیں اس سے کیا پریشانی ہے۔ دیوی جی کسی قدر بگڑ گئیں۔"

"میرا مطلب ہے گھر کا خرچ کیسے چل رہا ہو گا؟"

"بھیک مانگ کر چلا رہے ہیں خرچ' میں کہتی ہوں لوگ دوسروں کو کیا سمجھتے ہیں' خود کیا اوقات ہے تمہاری' اے لوواہ۔ آج کنہیا لال نے برتن نہیں بنائے تو

سب کو فکر ہو گئی۔ ارے تم جیسوں کو خرید کر پھینک دیں ہم۔ ٹٹ پونجئے کہیہ
کے۔" دیوی نے دھاڑ سے دروازہ بند کر دیا اور رام سہائے جلدی سے پیچھے ہٹ
گیا۔ وہاں سے پلٹتے ہوئے اس نے سوچا۔

"بھگوان رحم کرے۔ سارے گھر کی حالت ایک جیسی ہو گئی۔ کنہیا لال ؛
نہیں۔ دیوی جی کے دماغ پر بھی اثر ہو گیا ہے۔"

ٹھاکر بنواری لال بے چارے کے دل میں بھی دیا جاگی۔ برسوں سے کنہ
لال اس گاؤں میں رہ رہا تھا۔ سیدھا سادہ کمہار، کسی کے لینے میں نہ دینے میں، سہ
سے جھک کر ملنے والا، پریشانیوں میں دماغ الٹ گیا، اس سے بگڑنے کے بجائے اس
وقت اس سے ہمدردی کی ضرورت ہے، بیس روپے لے کر پہنچے تھے کنہیا لال کے گھ
پر۔

دروازہ دیوی جی ہی نے کھولا۔ "کیسی ہے تو سرلا؟ کیا حال ہے تیرے
کا؟" انہوں نے ٹھاکر کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

"کیسے آئے ٹھاکر جی۔" سرلا دیوی جو جیون بھر ایسے ہی تخاطب کی عاد
تھیں اس وقت اس انداز کو برداشت نہ کر سکیں۔

"بس یہ معلوم کر کے دکھ ہوا کہ کنہیا لال کا دماغ الٹ گیا ہے، میں
لوگوں کی پریشانی جانتا ہوں بے چارہ دن رات محنت کرتا ہے ملتا کیا ہے اسے۔ لے
بیس روپے رکھ لے کام آئیں گے، دید جی سے دوا لے آنا۔"

ٹھاکر صاحب نے بیس روپے سرلا دیوی کے ہاتھ پر رکھ دیئے اور سہ
دیوی آگ بگولا ہو گئیں۔

"ذرا ایک منٹ ٹھہرو ٹھاکر جی۔" وہ روپے لے کر اندر آ گئیں۔ اور ؛
اپنے صندوق سے چالیس روپے نکال کر باہر آئیں اور ٹھاکر صاحب کے بیس روپو
میں ملا کر ان کے منہ پر دے مارے۔ "یہ لو ٹھاکر جی۔ اب یہ ساٹھ روپے ہو گئے
بھکاری سمجھتے ہو ہمیں، ہم نے برے وقت میں بھی کسی سے کچھ نہیں لیا۔ کیا سمجھ



ے یہ بیس روپے تم نے۔ لے جاؤ ٹھاکر جی تمہارے گھر کو دیکھ کر لگتا ہے۔ جیسے
ں بہوت گھر ہو۔ چونا کرا لینا ان پیسوں سے..... ارے واہ آئے ساہوکار کہیں
ے۔" سرلا دیوی نے دروازہ پھر اسی قوت سے بند کر دیا۔

ٹھاکر بنواری لال کے تاثرات بھی رام سہائے سے مختلف نہیں تھے۔ انہوں
، دوسروں سے کہا اپنے اپنے شناساؤں سے۔ سرلا دیوی کی پڑوسن اور اس کی
ں ودیادکی نے کہا۔

"میں جانوں ہوں اس گھرانے کی بپتا۔"

"کیوں۔ کیا ہوا؟" اس کے پتی نے پوچھا۔

"کنہیا لال کی چھ بیٹیاں ہیں۔"

"ہاں ہیں۔۔۔"

"ساتویں لڑکی اسے کہیں روتی ہوئی ملی تھی۔ دیا کا مارا اسے اٹھا لایا۔ جنگل
وں میں بہوت چڑیلیں ہی ملتی ہیں۔ وہ بھی کوئی ایسی ہے۔ سرلا خود میرے پاس
تھی۔ اور ڈر رہی تھی۔ میں نے اسے پنڈت رام سروپ کے پاس بھیجا تھا۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"پھر تو معلوم نہیں۔ پر میری مانو، یہ سب کچھ اسی وجہ سے ہوا ہے۔ ضرور
ا چڑیل اس کے گھر میں آ گئی ہے۔ یہ کہانی بھی چند گھنٹوں کے اندر اندر مشہور
ئی۔

❀❀❀

دن گزر گیا۔ دونوں پتی پتنی ایک کونے میں گھسے بیٹھے رہے تھے۔ لڑکی
بھی پریشانی تھی۔ بچپن سے ہوش سنبھالنے کے بعد سے اب تک انہوں نے کنہ
کو گھر بیٹھے نہیں دیکھا تھا۔ آج کیا ہوا؟

شکتی سب سے بڑی تھی۔ وہ پوچھ بیٹھی۔ "کیا بات ہے ماتا جی۔ آج
پنیٹھ کیوں نہیں گئے؟"

"کیا مطلب ہے تیرا۔ تو کیوں پوچھ رہی ہے' بول ہتھیاری۔ کیا بھ
پاس چلی گئی تھی؟"

"بھٹے کے پاس؟"

"خبردار کہیں ادھر قدم رکھا۔ بھٹے میں آگ جلانے کی ضرورت نہیں
اور تیرے پتا گھر میں ہیں تو تجھے کیا۔ چل بھاگ مردار۔ آستین کی سانپ گھر کی
جاتی ہے کہ اٹھاؤں جوتی۔" سرلا دیوی نے کہا اور شکتی انہیں تعجب سے دیکھ
وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ اس وقت سرلا دیوی کے بگڑنے کی وجہ اس کی سمجھ



ں آئی تھی۔

رات ہو گئی۔ لیکن جوں جوں رات ہو رہی تھی کنہیا لال کا خوف بڑھتا جا
ا تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ رات کو کوئی گھر میں نہ گھس آئے۔ اتنی بڑی دولت کا
املہ تھا۔ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ دوسری رات بھی نہیں سویا تھا۔ اس لئے سر
ں درد ہو رہا تھا پھر اس نے سرلا دیوی سے کہا۔

"یوں کر شکتی کی ماں۔ میرا پلنگ باہر بچھا دے۔ بھٹے کے پاس۔"

"کیوں؟"

"بس وہیں سوؤں گا۔ تو سمجھا کر۔ یہ سنسار بڑا پاپی ہے۔ نہ جانے کون گھر
ں گھس آئے؟"

"پرناتھ۔ مجھے ڈر جو لگے گا رات کو۔"

"ڈر لگے گا۔ میرے سامنے زیادہ بننے کی کوشش مت کیا کر۔ اس کی
ظت بھی تو ضروری ہے اور پھر یہ اپنی بیٹیاں آفت کی پرکالہ۔ صبح سے ایک نہ
۔ بھٹے کے گرد چکر لگا رہی ہے۔ بس میں بھی تاڑ رہا ہوں انہیں۔ کیا شبہ ہو گیا ہے
ہیں؟"

"لگتا تو نہیں ہے اور نہ ہی میں نے ایسی کوئی بات کی۔"

"خیر۔۔۔ تو میرا پلنگ باہر بچھا دے اور اوڑھنے کے لئے چادر بھی دے
جیؤ مجھے۔"

سرلا نے سب انتظامات کر دیئے اور کنہیا لال بھٹے کے پاس اپنے پلنگ پر
۔ گیا۔ سرلا دیوی کمرے میں تھیں۔ اور ان کے ذہن میں بے شمار خیالات رقصاں
۔ جب بھی اس کے ذہن میں چمپا کا خیال آتا تو پورے بدن میں تھرتھری دوڑ
ی' لیکن انہوں نے سوچا کہ خود کو سنبھالنا چاہیے۔ اس کی وجہ سے ہی تو یہ کام بنا
۔ اتنی بڑی مایا اس کی وجہ سے تو ملی ہے۔۔۔ ہائے رام۔ کیسے اس نے اتنے
ے سانپ کو کیسے باہر نکال دیا ورنہ مایا کا سانپ کہیں ایسے ہاتھ آتا ہے۔ نجانے وہ

کیا ہے' سوچتی رہیں' پھرتی کا خیال آیا جو باہر لیٹا ہوا تھا۔ لیکن اتنی ہمت نہ ہوئی کہ
اٹھ کر باہر چلی جاتیں۔ تاریکی سے انہیں بہت ڈر لگتا تھا۔ دوسری طرف کنہیا لال بھی
خیالات کی کھچڑی پکا رہا تھا اس نے حویلی کا نقشہ ذہن میں محفوظ کیا۔ حویلی کم از
رادھے شیام کی حویلی سے تو بڑی ہونی چاہیے' گو کہ اس کے لئے گاؤں کے مزدو
ناکافی ہوں گے۔ کسی دوسرے گاؤں سے مزدوروں کو بلانا ہوگا' اپنے ہاں کے لوگ
ویسے بھی ٹھیک نہیں ہیں۔ مگر جگہ کون سی ہوگی۔ اتنی چھوٹی سی جگہ میں تو حو
اچھی نہیں لگے گی۔ جگہ کے بارے میں سوچتا رہا پھر کسی خیال کے تحت اٹھا اور بھ
کے پاس گیا اس نے بھٹے پر سے لکڑیاں اٹھائیں۔ اور پھر برتنوں پر لگی ہوئی۔
مٹی کی تہہ اکھاڑنے لگا۔ پھر ایک برتن کو توڑ کر اس میں سے چند اشرفیاں نکالیں ا
انہیں ہاتھ میں لئے تاروں کی چھاؤں میں دیکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ اصلی مایا تھی
کوئی دھوکا تو نہیں تھا۔ مگر اس کا پتہ کیسے چلے گا کہ اصلی سونا ہی ہے۔ کوئی ترکیب
کرنا ہوگی۔ پھر اسے بابو لال جوہری کا خیال آیا جو سونے کی بہت اچھی پرکھ ر
تھا۔ پھر اس نے سوچا کیوں نہ بابو لال سے ہی ان اشرفیوں کے بارے میں بات
لے۔ یہ بات اس نے طے کر لی اور چار اشرفیاں انٹی میں لگائیں کچھ مٹی سے ا
نے ٹوٹے ہوئے برتن کو درست کیا اور لکڑیاں پھر لگائیں اور واپس پلٹا تو ایک
دہشت زدہ ہوگیا۔ اس کے پیچھے پریما کھڑی تھی۔

"ہاں پتا جی۔ ایسے ہی آنکھ کھلی تھی۔ آپ کو کام کرتے ہوئے دیکھا
آپ کے پاس آگئی۔"

"کیا کام کرتے دیکھا۔ مجھے۔ بول۔ جلدی بول۔" کنہیا لال نے خوفزدہ
میں کہا۔

"بھٹا پکا رہے تھے پتا جی۔"

"اری چل۔ بھٹے کی بچی۔ اور ہاں ان لکڑیوں کو کبھی آگ نہ لگانا۔ آج
میں ایک نئی طرح کے برتن تیار کر رہا ہوں۔ ورنہ سارے برتن خراب ہو جائیں۔



ب نئی قسم کے برتن بنا رہا ہوں۔ جا جا سو جا جا کر۔" کنہیا لال نے کہا اور پریما شانے
کاتے ہوئے چلی گئی۔ وہ دن بھر یہی سنتی آئی تھی کہ بھٹے کے پاس نہ جانا۔ بھٹے کے
ں نہ جانا۔ نا جانے بھٹے کو کیا ہو گیا تھا۔ وہ واپس جا کر چارپائی پر لیٹ گئی۔ کنہیا لال
ے چارہ آج بھی نیند سے محروم رہا تھا۔

دوسری صبح اس کی طبیعت کافی خراب تھی۔ سرلا دیوی اور کنہیا لال کی
یاں پریشان ہو گئیں۔ شکتی کی اب سمجھ میں آیا کہ آج کل پتا جی کی طبیعت خراب
ے اس لئے وہ نہ برتن بنا رہے ہیں اور نہ ہی بیچنے جا رہے ہیں۔ بہرصورت یہ بڑی
اس لڑکی تھی اور اپنے پتا کی اس بیماری سے پریشان تھی۔

چمپا حسب معمول خاموش تھی۔ وہ کسی سے بات نہیں کرتی تھی۔ لڑکیوں
بھی یہی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح ان سے بول سکتی۔

دوپہر کو کسی قدر کنہیا لال کی حالت بہتر ہوئی۔ وہ نہا دھو کر کپڑے پہن کر
ر نکل گیا۔ اشرفیاں بھی اس کی انٹی سے لگی ہوئی تھیں۔ اس کا رخ بابو لال
ہری کی جانب تھا۔ بابو لال جوہری کی دوکان پر اتفاق سے ٹھاکر بنواری لال اور
پال داس بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ کنہیا لال کو دیکھ کر وہ سب ایک دم خاموش ہو
ے۔ کنہیا لال ان کے پاس پہنچ گیا۔

"کیا حال ہے بابو لال جی۔" اس نے شاہانہ انداز سے کہا اور بنواری لال
ر گوپال داس نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ شاید وہ اس کے متعلق ہی بات کر رہے
ے۔ کنہیا لال جو انتہائی نرم طبیعت کا مالک تھا۔ اب کسی اور انداز سے بات کر رہا
۔

"اپنی سناؤ کنہیا لال' کیسے ہو' آج کل کوئی کام دھندہ نہیں کر رہے ہو۔"

"ہاں بنواری لال جی سوچا ہے کہ بس کام دھندے میں رکھا کیا ہے۔
ڑے دن پہلے کنہیا لال کمہار تھے۔ بس تھوڑے دنوں کی بات ہے تم لوگ مجھے
یا لال کمہار کہو گے۔"

"وہ واہ' اچھی بات کہی تم نے' کمہار تو تم اب بھی ہو۔ مگر یہ بتاؤ
دھندہ نہیں کرو گے تو کھاؤ گے کہاں سے؟"

"بس بھگوان دے گا۔ آپ لوگ کیا سمجھتے ہیں۔ کنہیا لال کمہار آج
اپنے آپ کو چھپائے ہوئے تھے' بابو لال جی تمہیں نہیں معلوم کہ میرے پ
میرے لئے اس سنسار میں کیا چھوڑ گئے ہیں۔ وہ دولت چھوڑ گئے ہیں۔ میرے
بہت بڑی دولت۔ لیکن ..... لیکن وہ میرے پاس نہیں ہے۔ بس مجھے پتا چلا
وہ..... وہ بابو لال میں اکیلے میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں کنہیا لال کو ا
احساس ہو گیا کہ اس کے منہ سے کیا بات نکل گئی ہے۔ دولت کا تذکرہ پھر ہو گیا
ٹھاکر صاحب یقیناً اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

"اچھا..... اچھا مگر اکیلے میں کیا بات کرو گے۔" بابو لال نے کہا۔

"جو بات کروں گا اس میں تمہارا فائدہ ہے۔"

"میرا فائدہ؟"

"ہاں بس یوں سمجھو کہ مجھے تم سے اتنا ہی ضروری کام ہے کہ تم بھی
ہو گے۔"

"اچھا۔" بابو لال نے بنواری لال کو دیکھا' اور بنواری لال اٹھتے
بولے۔

"تم کنہیا کمہار سے باتیں کرو' ہم لوگ چلتے ہیں۔" وہ دونوں لوگ چ
اور بابو لال خوفزدہ نگاہوں سے کنہیا کو دیکھنے لگا۔

"ٹھاکر لال اپنے آپ کو بہت بڑا آدمی سمجھتے ہیں نا۔ بابو لال۔ مگر بھگو
سوگند کچھ بھی نہیں ہے میرے سامنے۔ میں چاہوں تو یہاں ایک حویلی بنا
ہوں۔ اتنی بڑی کہ رادھے شیام کی حویلی اس کے سامنے ہیچ سا ہو۔"

"ضرور۔ ضرور بنواؤ۔ کنہیا لال اب جاؤ گے یا ڈاور بات کرنی -
ہے۔"



"ارے نہیں بابو لال نجانے کیوں تم ڈر رہے ہو مجھ سے۔ یہ دیکھو اپنی
ن ہمیشہ بند رکھنا۔ یہ دیکھو میرے پاس۔ اور پرکھو اسے اپنی کسوٹی پر۔" اور کنہیا
نے انٹی سے چاروں اشرفیاں نکال کر بابو لال کے سامنے کر دیں اور اس کی
میں حیرت سے پھٹی رہ گئیں۔

"اس نے سونے کو پرکھا اور پھر اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے

'تو کیا سچ مچ تمہارے پتا جی نے کوئی خزانہ چھوڑا ہے تمہارے لئے؟"

'میں تمہیں اور کچھ بھی نہیں بتاؤں گا۔ بس یہ بتاؤ کہ کیا دام دو گے' اس

'بھیا جو بھاؤ سونے کا چل رہا ہے اسی بھاؤ سے لے لو۔ بس پانچ دس روپے
میں میرے۔"

"ٹھیک ہے لاؤ دو۔" کنہیا لال نے کہا۔

"مگر تمہیں انگوٹھا لگانا ہو گا ایک کاغذ پر' معاف کرنا بھیا زمانہ ہی ایسا ہے کل
ک یہ کہیں گے کہ یہ سب چوری کا مال تھا۔"

"ہاں۔ ہاں لگا دیں گے انگوٹھا۔ ہماری دولت ہے۔" کنہیا لال نے کہا اور
ال نے چاروں اشرفیوں کی قیمت ادا کر دی۔ لیکن یہ بات بھی عام نہ رہ سکی اور
کے گھر گھر میں اس کا چرچا ہونے لگا۔

بستی والے کچھ بھی کہتے رہتے ان لوگوں کو اس بات کی پرواہ کب تھی۔

کنہیا لال کو آہستہ آہستہ صبر و سکون آ گیا اور وہ اپنے آپ کو کسی قدر
ن کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ سرلا دیوی نے بھی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے
اور جب کنہیا لال شہر سے واپس آیا تو اس کے پاس نوٹوں کی بہت بڑی بڑی
اں تھیں۔ وہ اس دولت کا چھوٹا سا حصہ شہر بیچ کر آیا تھا۔ جانتا تھا کہ بستی والے
کی قیمت ادا نہیں کر سکیں گے۔ تھوڑے عرصے بعد جب کنہیا لال نے نگلنے والی

زمین خریدلی تو رادھے شیام کو بھی تشویش پیدا ہوئی۔ زمین خریدی گئی تھی۔ چو
سرکاری زمین تھی اس لئے پتہ نہیں چل سکا کہ کتنے میں لی ہے اور اس کی ادا
کس طرح ہوئی ہے دوسرے بستیوں سے مزدور آئے اور کنہیا لال کی حویلی
شروع ہوگئی تھی۔

بالآخر حویلی تعمیر ہوگئی' لال جڑوائے تھے کنہیا لال نے اس میں۔ راد
شیام نے اس طرف سے گذرنا چھوڑ دیا تھا۔ بستی والوں کے لئے کنہیا لال ایک ما
الفطرت ہستی بن گیا تھا۔ جس نے ناجانے کہاں سے اتنی مایا حاصل کرلی تھی۔ ا
اس حویلی کو دیکھتے اور انگشت بدنداں رہ جاتے طرح طرح کی خبریں اڑتی تھیں
کے بارے میں۔

"پھر کنہیا لال نے گاؤں کے لوگوں کو دعوت دی۔ بھائیو۔ میں اپنی حو
رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ پہلے یہاں بھگوان کی گیتا کا پاٹھ ہو۔ اس کے بعد میر
حویلی میں اپنے بچوں کے ساتھ جاؤں اس لئے منگل کے روز آپ سب لوگ
کتھا میں حصہ لیں اور میرے ساتھ بھوجن کریں۔

منگل کے روز حویلی میں رونق دیکھنے کے قابل تھی پوری حویلی میں
روشن تھے۔ بھگوان پاٹھ ہو رہا تھا اور لوگ دم بخود بیٹھے ہوئے تھے پورے
کے لوگ ان میں شامل تھے لیکن وہ سادھو کہیں باہر سے آئے تھے جو جٹا دھاری
اور خاصی ہیبت ناک شکلوں کے مالک تھے۔ کتھا کے دوران وہ گردن جھکائے
تھے۔ پھر جب کتھا ختم ہوئی تو وہ دونوں اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہوگئے تھے۔

"بھم بھم بھولے ناتھ۔ گاؤں کے لوگو گیتا کا پاٹھ ختم ہوگیا۔ پرنت
کٹھنا آن پڑی ہے۔ سب پر۔ یہ بھوجن جو اب تم کروگے ناپاک ہے۔ کیونکہ
مایا سے تیار ہوا ہے۔"

"لوگ حیران رہ گئے"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں مہاراج؟" کسی نے کہا۔



"یہ دوسری کتھا ہے بھائیو۔ سنو۔ کنہیا لال کی مایا ایک ملیچھ کنیا کی دین
ہے۔"

"کنیا لال نے ایک مسلمان لڑکی کو ہندو بنا کر پال رکھا ہے۔ وہ لڑکی مسلمان
ہے اور کنہیا لال خود دھوکے میں ہیں۔"

"کون لڑکی مہاراج؟"

"جو تمہاری بیٹیوں سے الگ ہے جو تمہاری اپنی نہیں ہے۔"

"چمپا۔۔۔؟" کنہیا لال حیرت سے بولا اور پھر دفعتاً" اس کی آنکھیں سرخ
وگئیں پھر اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

"یہ ہونا تھا بھائیو۔ یہ ہونا تھا۔ میرے دشمن مجھ سے خوش تو نہ تھے۔
رے ہاں انہیں یہ بات کہاں پسند آتی کہ سب کچھ چین سے ہو جائے۔ یہ شرارت
ہے کسی کی۔ یہ سادھو جھوٹے ہیں۔" وہ غصیلے انداز میں سادھوؤں کو گھورنے لگا۔
ر بولا۔

"بھم بھم بھولے ناتھ اس کا تجربہ ہو جائے گا بھائیو۔ جاؤ کنہیا لال ذرا اس
نہیا کو لے آؤ اسے سب کے سامنے گنگا جل پلاؤ۔ اگر وہ خوشی سے جل پی لے تو
یک ورنہ ہماری بات درست مانی جائے۔"

"ابھی لاتا ہوں میں اسے' اگر تمہاری سازش ناکام نہ کردوں تو کنہیا لال
م نہیں ہے۔" کنہیا لال اندر چلا گیا۔ تمام عورتیں کتھا سننے میں مصروف تھیں۔
رلا دیوی اور شکتی اور دوسری لڑکیاں بھی وہاں موجود تھیں۔

"چمپا کہاں ہے کنہیا لال نے پوچھا؟"

"ابھی تو یہاں تھی۔ اندر کسی کمرے میں ہوگی۔" شکتی نے بتایا اور کنہیا
ل ان سے کچھ کہے بغیر اندر چلا گیا۔ اس نے مختلف کمروں میں تلاش کیا اور پھر
ے ایک کمرے میں دیکھ لیا۔ چمپا دیوار کی طرف پشت کئے بیٹھی تھی۔

"چمپا' چمپا ذرا چل تو میرے ساتھ' سسرے جھوٹے کہیں گے۔ آتو ذرا بیٹا

اور چمپا نے آہستہ آہستہ چہرہ گھمایا۔ اس کی آنکھیں روشن تھیں' تیز نیلی روشنی
پھوٹ رہی تھی ان سے۔ وہ آنکھیں معلوم ہی نہیں ہوتی تھیں چہرے کا رنگ دودھ
کی طرح سفید ہو رہا تھا۔ اور ہونٹوں پر ایک بھیانک مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ پھر
اس کے حلق سے ایک بھاری مردانہ آواز نکلی۔

"نہیں کنہیا لال۔ جاؤ بھاگ جاؤ۔ بھاگ جاؤ۔ ورنہ۔" وہ اپنی جگہ سے
اٹھ کھڑی ہوئی۔ کنہیا لال کی دہشت ناک چیخ پوری حویلی میں گونج اٹھی۔ اس کے
بعد وہ اپنے حواس پر قابو نہیں رکھ سکا تھا اور باہر بھاگ گیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں
آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو گیا۔ بہرطور بہت دیر تک وہ باہر گھومتا رہا۔ کسی سے دل کی بات
بھی نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر ہوش و حواس درست ہوئے تو ایک درخت کی چھاؤں میں
بیٹھ کر اس نے غور کرنا شروع کر دیا۔ بے چاری سرلا دیوی تو بہت پہلے سے نجانے
کیا کیا باتیں کہتی تھی۔ احساس خود کنہیا لال کو بھی تھا۔ لیکن اس نے اتنا کبھی غور
نہیں کیا تھا۔ اور پھر جس طرح لڑکی اس کے لئے بھاگوان ثابت ہوئی تھی۔ اس نے
تو سوچنے سمجھنے کی قوتیں اور بھی چھین لی تھیں۔ لیکن اب کیا ہوا اور اب کیا ہو گا
کنہیا لال بیوی کو دل کی بات نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اس کی حالت اور بھی زیادہ خراب
ہو جائے گی۔ چنانچہ اپنے آپ کو سنبھالے رہا۔ گھر میں داخل ہوتے ہوئے اب اسے
خوف محسوس ہو رہا تھا اور ادھر پنچایت میں یہ بات طے پا گئی تھی کہ وہ لڑکی کو پنچایت
میں لا کر گنگا جل پلائے گا۔ وہ کبھی تیار نہیں ہو گی۔ اور پھر جس طرح اس کی آواز
ابھری اور جیسے اس نے کہا وہ تو بڑا ہی خوفناک تھا۔ جب بہت وقت گزر گیا اور اسے
یہ احساس ہوا کہ اب گڑبڑ ہو جائے گی۔ ڈرتے ڈرتے گھر میں داخل ہوا۔ سرلا دیوی
باہر ہی تھی۔ لڑکیاں اپنے کاموں میں مصروف تھیں۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور
اسے تلاش کرنے لگا۔ کچھ بھی تھا۔ کوئی نہ کوئی کام تو کرنا ہی تھا۔ لیکن لڑکی وہاں
موجود نہیں تھی۔ پھر تو کنہیا لال نے پورے گھر کی تلاشی لے ڈالی۔ لیکن اسے لڑکی
نظر نہیں آئی۔ ایسا ہوتا نہیں تھا۔ وہ سرلا دیوی کے پاس پہنچ گیا۔



"چمپا کہاں ہے؟" اس نے سوال کیا اور سرلا دیوی گردن اٹھا کر اسے
دیکھنے لگی۔

"تمہارے ساتھ نہیں گئی۔"

"میرے ساتھ؟"

"تمہارے ساتھ ہی تو گئی تھی۔"

"ارے۔ پاگل ہو گئی ہے کیا۔ میں تو اکیلا ہی گھر سے بھاگا تھا۔" کنہیا لال
نے کہا۔

"بھاگے تھے؟"

"میرا مطلب ہے میں اکیلا ہی تو گیا تھا۔ وہ میرے ساتھ کدھر گئی تھی۔ اور
اب میں پورے گھر میں دیکھ چکا ہوں' گھر میں تو موجود نہیں ہے۔

"تو پھر کہاں گئی۔" سرلا دیوی نے چونک کر کہا۔ بہت وقت گزر چکا تھا۔
انسان جانور بھی پالتا ہے تو اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ ہر چند کہ سرلا دیوی جانتی تھی
کہ یہ لڑکی بے حد پراسرار ہے۔ لیکن اس کے باوجود بہرطور اسے اس سے محبت ہو
گئی تھی اور کچھ بھی سہی لیکن چمپا کا اپنا ایک مقام تھا۔ سرلا دیوی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تو پھر کہاں گئی۔ دیکھو کہیں باہر نہ نکل گئی ہو۔"

"تم دیکھو۔ میں گھر میں دیکھتی ہوں۔ کہیں کسی جگہ چھپ کر سو نہ گئی
ہو۔۔۔" کنہیا لال باہر نکل گیا اور سرلا دیوی گھر کا کونہ کونہ چھان مارنے لگی لیکن
چمپا کا کہیں پتا نہیں تھا۔ ادھر کنہیا لال نے بھی دور دور تک دیکھا کئی لوگوں سے چمپا
کے بارے میں معلومات حاصل کیں لیکن کچھ پتا نہیں چلا۔ بہت پریشان ہو گیا تھا وہ۔
تھکا ماندہ گھر واپس آیا اور بولا۔

"ملی؟"

"نہیں۔"

"باہر بھی نہیں ملی۔"

"آخر کہاں گئی؟"

"بھگوان ہی جانے۔"

"اب کیا ہو گا۔ دونوں سوچ میں ڈوب گئے۔ لڑکیوں نے بھی چمپا کے
بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا تھا۔ وہ لوگ اسے ہر جگہ تلاش کرتے رہے لیکن کہ
بھی اس کا پتا نہیں چلا۔ کنہیا لال اس بات کو تو بھول گیا تھا کہ ان دونوں بدمعا
سادھوؤں نے اس سلسلے میں کیا کہا تھا لیکن اب اسے چمپا کی فکر تھی۔ آخر کہاں گئ
ایک بار گھر سے دوبارہ نکلا اور پھر آدھی رات تک چمپا کو جگہ جگہ تلاش کرتا رہا
ویرانوں میں۔ ایسی عمارتوں میں جو خالی پڑی ہوئی تھیں۔ بستی کے بے شمار لوگو
سے اس نے چمپا کے بارے میں معلومات حاصل کیں لیکن کوئی پتا نہیں چل سکا تھ
گھر میں بھی واپس نہیں آئی تھی۔ ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی۔ لڑکیاں ب
افسردہ تھیں اور چمپا کے بارے میں باتیں کر رہی تھیں۔ یہاں تک کہ دن نکل آ
وہ وقت آگیا جب کنہیا لال کو چمپا کو لے کر پنچایت پر جانا تھا۔ دو آدمی بلانے کے
آگئے۔

"بھاگ جاؤ۔ تمہارا ستیاناس۔ وہ چلی گئی۔"

"کہاں؟ کنہیا لال جی۔"

"اب مجھے کیا معلوم۔"

"جھوٹ بول رہے ہو تم۔ اس کا مطلب ہے کہ دونوں سادھو ٹھیک
رہے تھے۔"

"جھوٹ بول رہا ہوں تو بگاڑ لو تم' میرا جو کچھ بگاڑا جا سکتا ہے۔"

"سوچ لو کنہیا جی۔ حقہ پانی بند کر دیا جائے گا تمہارا۔"

"ارے جاؤ۔ بھاڑ میں جاؤ تم لوگ۔ سو بار میرا حقہ پانی بند کر دو۔ پتا نہ
میری چمپا کہاں چلی گئی۔" کنہیا لال رونے لگا۔ پھر وہ دونوں آدمی واپس چلے گ
اور کچھ وقت کے بعد پنچایت کی طرف سے کنہیا لال کے لئے بلاوا آگیا۔ کنہیا لال



آنکھیں رو رو کر سرخ ہو رہی تھی۔ وہ روتا ہوا ہی پنچایت میں پہنچا تھا اور وہاں وہ
ونوں شیطان سادھو موجود تھے۔ دفعتاً" کنہیا لال کے دل میں ایک خیال آیا اور وہ
سادھوؤں کے سامنے جا کر انہیں غور سے دیکھنے لگا پھر اس نے کہا۔

"کہاں ہے چمپا۔"

"ہم سے پوچھ رہے ہو۔ سن لیا ہے ہم نے کہ تم نے چمپا کے غائب ہو
بانے کی کہانی سنائی ہے۔"

"دیکھو پاپیو! تم نے میری بچی کو غائب کر دیا ہے۔ اب میں سمجھ گیا۔ تم ہی
نے اسے کہیں غائب کر دیا ہے۔ نکال دو نہیں تو۔ نہیں تو میں۔ میں۔"

"دیکھ کنہیا لال۔ کیوں تیری موت آئی ہے۔ ہم تیرا وہ حشر کریں گے کہ تو
اد کرے گا۔"

"جھوٹ بول رہے ہیں یہ لوگ۔ جھوٹ بولتے ہیں۔ پاپی ہیں۔ ہتھیارے
ین۔"

"جھوٹا تو ہے کنہیا لال۔"

"ارے پاپیو! میں جھوٹا ہوں تو تم مجھے اک بات بتاؤ۔ میں نے اگر اسے چھپا
یا ہے تو کیا اسے جیون بھر اپنے گھر نہیں لاؤں گا۔ کہاں چھپائے رکھوں گا اسے
رے میں نے تو اسے اپنی اولاد کی طرح پالیا ہے۔"

"مگر کنہیا لال ہوا کیا؟"

"بس غائب ہو گئی وہ۔"

"مگر کیسے؟"

"پتا نہیں بھگوان ہی جانے۔" کنہیا لال روتا ہوا بولا۔ سادھو اسے مذاق
ڑانے والی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے سرپنچ سے کہا۔

"یہ سب جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہ سمجھ رہے ہو۔ سرپنچ یہ جھوٹ بول
رہے ہیں۔ وہ مسلمان لڑکی تھی۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔"

"مگر بیوقوفو! وہ مسلمان تھی یا ہندو۔ یہ تو بعد کی بات ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ و
غائب کیسے ہو گئی؟"

"غائب ہو جانا کوئی مشکل کام نہیں ہے اور خاص طور سے اس جیسی لڑکی
کے لئے۔" دونوں سادھو اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔

"تو ذرا تم غائب ہو کر دکھا دو مجھے۔" کنہیا لال نے کہا اور دونوں سادھو
ہنسنے لگے۔ پھر انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور چہرے کے گرد لپیٹ لئے او
دوسرے لمحے دیکھنے والوں نے ایک عجیب تماشا دیکھا۔ دونوں سادھو اپنی جگہ سے
غائب ہو گئے تھے۔

"یہ کیا ہوا؟" ایک نے دوسرے سے سوال کیا۔ لیکن جواب کسی کے پاس
نہیں تھا۔ سادھوؤں کا اب دور دور تک پتا نہیں تھا۔

"اے بھگوان وہ سادھو تھے یا شیطان؟" سرپنچ نے کہا اور سب ایک
دوسرے کی صورت دیکھتے رہ گئے۔

❀❀❀



فرزند خان خود زندگی سے عاجز تھا۔ ساری عمر محنت مزدوری کرتے
گزری۔ نجانے کیا کیا کام دھندے کئے اور اس کے بعد مشکل سے گزارا ہوا۔ خدا
کی دین سے مالا مال تھا اور اس وقت گیارہ بچوں کا باپ تھا۔ ہر سائز کے بچے گھر میں
موجود تھے۔ زندگی عاجز تھی اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے۔ سب سے بڑا بیٹا
شبن خان ہی تھا اور شبن خان اپنی مثال آپ ساری بستی میں اس کی کہانیاں گونجتی
تھیں۔ نکھٹو تھا۔ کام دھندے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ بس نجانے کیا کیا
کارروائیاں کرتا رہتا تھا اور لوگ اس کی شکایتیں بھی کیا کرتے تھے۔ اس کا بہترین
مشغلہ کھیتوں سے مختلف اشیاء چرا کر انہیں استعمال کرنا تھا۔ خود بھی کھاتا۔ دوستوں
کو بھی کھلاتا۔ گھر میں نہیں لا سکتا تھا۔ ورنہ ایک بار تو اس نے گھر میں پیش کش کر
دی تھی۔

"بلا وجہ اتنی محنت کرتے ہو ابا۔ ان بچوں کو پالنے کی ذمہ داری مجھ پر چھوڑ
دو۔"

"تیرا ستیاناس جائے۔ کمینے' بے غیرت' بے شرم۔ کہاں سے کھلائے گا تو

انہیں۔"

"ابا محنت مزدوری کروں گا اور کہاں سے کھلاؤں گا۔"

"تو اور محنت مزدوری کرے گا۔"

کیوں نہیں ابا۔ کرتا نہیں ہوں کیا۔

"کیا کرتا ہے ابے تو۔ بھینس کا دودھ تک تو نکال نہیں سکتا۔ سارے بچے لگے رہتے ہیں اور تو صرف بیٹھا دیکھتا رہتا ہے۔"

"ایسے چھوٹے موٹے کام مجھ سے نہ کرایا کرو ابا۔ بھئی گھر میں جتنی گندم کی ضرورت ہو گی میں لا کر دوں گا۔ آخر یہ کھیت کھلیان کس لئے ہیں۔ سب اپنے لوگ ہی تو ہیں۔ اب دیکھو ناں آج کل چنوں کی فصل اگی ہوئی ہے ساری بستی مجھ سے ہی کہتی ہے کہ شبن میاں ذرا تھوڑے سے چنے تو توڑ کر لاؤ۔ بستی کے مختلف گھروں میں چنے کا ساگ سپلائی کرتا ہوں اور ابا۔"

"چوری کر کے لاتا ہے ناں۔ میں ابھی خود تجھے سپلائی کئے دیتا ہوں۔" اور اس کے بعد بانس کا وہ موٹا ٹکڑا جو شبن میاں ہی کے بدن پر پھٹا تھا فرزند خان کے ہاتھ میں آ گیا۔ لیکن شبن میاں نے اب وہ جگہ منتخب کر لی تھی جہاں سے وہ دروازے کے بغیر باہر جا سکتے تھے۔ دیوار کے اس کچے حصے کو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے توڑا تھا اور بہترین مشق حاصل کر لی تھی کہ بس تھوڑے سے اچکے۔ دو ہاتھ اس پر رکھے اور دیوار کے باہر۔ کئی بار فرزند خان اس دیوار کو کچی مٹی سے بنا چکا تھا لیکن یہ دیوار ہی تو شبن میاں کا آخری سہارا تھی۔ بہر حال یہ ہی کاروبار جاری رہا۔ بہن بھائیوں کو کھلانے کی حسرت دل میں رہی۔ لیکن بستی والے بھی تو عجیب ہی لوگ تھے۔ بھائی اگر کسی کے کھیت سے دس بارہ بھٹے توڑ لئے تو بھلا وسیع و عریض کھیت کا کیا بگڑے گا۔ یا اس کے علاوہ مختلف ورائٹی بستی میں موجود تھی۔ آموں کے زمانے میں آم۔ خربوزوں کے زمانے میں خربوزے۔ پھر وہی والی بات کہ بستی کا بانکا چھبیلا تھا۔ چھوٹی موٹی چیزوں کے لئے تو کسی کو منع نہیں کرنا چاہیے۔ لیکن کیا کرتا بستی والے تنگ دل لوگ تھے۔ پہلے خود گالیاں بکتے۔ دو چار بار مار بھی پڑ چکی



ی۔ لیکن بستی کے بڑے اگر مارتے ہیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے اپنے بزرگ
ں۔ بھائی بند ہیں البتہ گھر پر جو شکایت پہنچائی جاتی تھی۔ وہ شبن میاں کو پسند نہیں
ی کیونکہ پھر اماں بھی مخالف ہوتی اور ابا بھی۔ گھر میں کھانے پینے کا تو خیر کوئی مسئلہ
یں تھا۔ روٹی تو بہت کم ہی ملتی تھی۔ سزا کے طور پر لیکن شبن میاں ہمیشہ پیٹ بھر
ر گھر پر پہنچتے تھے۔ ویسے تو خیر فرزند خان کچھ نہ کچھ کام دھندا کر کے کما ہی لیتا تھا۔
لے کے دو چار گھروں کو بھینس کا دودھ بھی دے دیا کرتا تھا۔ بھینس کے لئے چارہ
ی لے آیا کرتا تھا۔ چھوٹے موٹے کام کر کے تھوڑے بہت پیسے بھی حاصل کر لیا
رتا تھا۔ جس سے بچوں کے کپڑوں اور دوسری ضرورتوں کا کام چل جایا کرتا تھا۔
لن وہ شبن میاں سے تنگ تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن بیوی کے مشورے سے اس
نے آخری فیصلہ کر لیا۔

"میں اس نکھٹو کو عاق کرنا چاہتا ہوں۔ اب اس کا گزارا میرے گھر میں
یں ہو سکے گا۔"

نکالو کمبخت مارے کو۔ سب کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ دوسرے بچے بھی
ے سہمے رہتے ہیں۔۔۔ ماں بھی شبن میاں سے عاجز تھی۔ پھر یہ فیصلہ شبن میاں کو
ا دیا گیا۔ خود بھی بہت دن سے گھر سے باہر نکلنے کے بارے میں سوچ رہے تھے اور
دما" یہ شعر پڑھا کرتے تھے کہ

اس چمن میں اب اپنا گزارا نہیں

چنانچہ یہ فیصلہ انہیں سنا دیا گیا۔

"بس اب تجھے اس گھر میں نہ دیکھا جائے اور اگر ضرورت پڑی تو میں
ہدری صاحب سے کہہ کر تجھے بستی سے بھی نکلوا دوں گا۔"

"ضرورت نہیں پڑے گی ابا۔ ظالم زمانہ اتنا ہی سنگدل ہوتا ہے۔ طاقتور کا
اتھ تو سبھی دیتے ہیں۔"

"سمجھ لے۔ تو میری دولت اور جائیداد سے عاق۔" فرزند خان نے کہا۔

"دولت۔ جائیداد۔ ابا تمہاری دولت یہ تمہارے باقی دس بچے ہیں اور

تمہاری جائیداد یہ چھوٹا سا جھونپڑا ہے۔ بھلا اس میں سے مجھے کیا حصہ ملے گا۔ غسل
خانہ تک میرے حصے میں نہیں آئے گا۔ جہاں تک رہی یہ بھینس تو ابا یہ تو تم سے
پہلے ہی مرجائے گی۔ اس کی عمر جتنی ہو چکی ہے تمہیں خود بھی پتا ہے۔ لیکن میں
سے کچھ مانگوں گا بھی نہیں۔ بس اب گھر سے نکلنے کا جنون مجھ پر سوار ہو گیا ہے او
وہ جو کہا جاتا ہے ناں ابا کہ سفر وسیلہ ظفر۔ تو اب میں سفر کروں گا اور ظفر کا وسیا
تلاش کروں گا۔"

"ہونہہ۔ ٹھیک ہے۔ دفعان ہو جا یہاں سے۔ بس اب تو مجھے گھر میں نظ
نہ آئے اور تو بھی سن لے بھاگوان۔ تیری مامتا نہ پھٹنے لگے۔"

"ارے بھاڑ میں جائے ایسی مامتا جو اس جیسے نکھٹو کے لئے پھٹے۔ میں تو کہ
ہوں گھر سے چلا جائے گا تو ہم لوگ بھی آرام سے جی لیں گے۔ دن رات کی دو
پھٹ پھٹ ہے۔"

"ٹھیک ہے اماں۔ ٹھیک ہے۔ اب تو ایسا کر کہ زاد راہ دے دے۔

"کیا دے دوں؟"

بس چار چھ روٹیاں پکا دے۔ ہم تو چلے پردیس۔" شبن میاں نے کہا۔

"میں تجھے زاد راہ دیتا ہوں۔" فرزند خان غصے سے دھاڑتا ہوا بولا۔ او
لپکا ڈنڈے کی طرف۔ ڈنڈا ہاتھ میں آیا تو شبن میاں نے پینترے بدلتے ہوئے کہا۔

"ابا یہ تو سد راہ ہے۔ زاد راہ تو کچھ اور ہی ہوتا ہے۔۔"

"دفع ہو جا یہاں سے۔"

"خیر۔ اب اتنی جلدی بھی نہیں تھوڑی بہت رقم تو دے دو ابا۔ تاکہ کہیں
پہنچوں تو کام آسکے۔"

"تو جاتا ہے کہ نہیں۔" اس بار فرزند خان نے ڈنڈا پھینک کر مارا تھا لیکن
شبن میاں کم از کم اتنی بنوٹ سے واقف تھے۔ اس کے بعد گھر سے نکل ہی گئے
لیکن رات کو انہوں نے بڑے اطمینان کے ساتھ دیوار کود کر فرزند خاں کا حقہ اٹھ
اور وہاں سے آگے بڑھ گئے پھر بستی میں واقعی رکنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ البتہ



نہوں نے بستی ہی کے کونے پر حلوائی کو دیا تھا اور اس طرح باپ کے ورثے میں
ے تھوڑی سی رقم حاصل کرنے کے بعد وہ سچ مچ وہاں سے چل ہی پڑے۔ اب
نہیں نئی زندگی کی تلاش تھی۔ تھوڑے بہت پیسے جیب میں تھے۔ سفر جاری رہا اور
س کے بعد ایک طویل فاصلہ طے کر کے وہ ایک بستی کے قریب پہنچے۔ رات کا وقت
ا۔ دور سے روشنیاں نظر آ رہی تھیں اور بستی کے راستے کے بارے میں صحیح
علومات حاصل نہیں تھیں۔ سڑک ناہموار تھی۔ برگد کے ایک درخت کے نیچے
یک چبوترا بنا ہوا تھا۔ اور غالباً پوجا پاٹ کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ سوچا کہ کیوں ناں
ی چبوترے پر رات گزاری جائے۔ صبح کو ذرا اہتمام کے ساتھ بستی میں داخل
ں گے۔ چنانچہ چبوترے پر چڑھ گئے اور ساتھ میں جو کچھ راستے میں لے آئے تھے
ے کھا پی کر ایک جگہ بستر لگا لیا۔ سر کے نیچے اینٹ رکھ کر لیٹ کر یہ سوچنے لگے کہ
قعی وہ جو کہا جاتا ہے ناں کہ گھر سے نکلو تو قدرت کچھ اور انتظامات کرتی ہے۔ عمر
ی خاصی ہو گئی تھی۔ اچھے خاصے لمبے چوڑے جوان تھے اور شکل و صورت کے
ی برے نہیں تھے۔ واقعی کچھ بندوبست ہونا چاہیے۔ کچھ بننے کے بعد ہی اگر بستی
رخ کیا جائے تو زیادہ بہتر ہو گا۔ ویسے بستی سے اتنا دل بھر گیا تھا کہ اب ادھر کا رخ
نے کو دل چاہتا بھی نہیں تھا۔ چنانچہ یہ تمام باتیں لیٹے لیٹے سوچتے رہے پھر غالباً
کھوں میں نیند کی جھپکی آ گئی تھی کہ وہ آواز سنائی دی اور وہ چونک پڑے۔ قرب و
ار میں جتنی خاموشی اور سناٹا تھا اس میں انہیں یہ آواز عجیب سی محسوس ہوئی۔
ن اٹھ کر بیٹھ گئے۔ یہ کسی بچے کی آواز تھی۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر
ھا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر کوئی بیٹھا ہوا نظر آیا۔ ایک دم سے دل میں خوف کی
ھائیاں رینگ آئی تھیں۔ وہ کون ہے اور کہاں سے آ گیا۔ اور اس طرح کیوں
ا ہوا ہے۔ چند لمحات بیٹھے اپنی جگہ آنکھیں پھاڑتے رہے۔ پھر اٹھے اور آہستہ
ستہ چلتے ہوئے اس کے قریب پہنچ گئے چاند کی مدھم روشنی میں انہوں نے اسے
ھا۔ ایک چھوٹی سی خوبصورت بچی تھی اتنی خوبصورت کہ اسے دیکھ کر بے اختیار
آ جائے۔ اگر کوئی بڑی چیز ہوتی تو شبن میاں شاید زیادہ خوفزدہ ہو جاتے۔ لیکن

اس معصوم بچی کو دیکھ کر بھلا خوف کا کیا تصور دل میں ابھرتا۔ اس کے پاس گئے اور مسکرا کر بولے۔

"ارے بیٹی تم یہاں کیا کر رہی ہو۔" جواب میں بچی نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ رات میں اس کی آنکھیں خوب چمک رہی تھیں۔ اس کے سفید رنگ کو دیکھ کر شبن میاں کا دل پسیجنے لگا۔ وہ پیار سے بولے۔

"بتاؤ بیٹا۔ گھر سے آ گئی ہو۔ دیکھو یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ تمہیں اکیلے ڈر نہیں لگتا۔" بچی نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا۔ تو شبن میاں نے کہا۔

"چلو چھوڑو۔ اپنا نام ہی بتا دو۔"

"گڑیا۔" لڑکی کے منہ سے پہلی بار آواز نکلی۔

"سبحان اللہ۔ شکل و صورت سے گڑیا ہی لگتی ہو۔ مگر گڑیا بیٹے تمہارے ماں باپ کہاں ہیں اور رات میں تمہیں کوئی تلاش کرنے نہیں آیا ادھر۔ شاید تم گھومتی ہوئی گھر سے ادھر نکل آئی ہو۔" لیکن اس کے بعد بچی نے پھر زبان بند کر لی تھی۔ شبن میاں لاکھ سر مارتے رہے لیکن بچی نے اس کے بعد کوئی اور جواب نہیں دیا تھا۔ پھر شبن میاں کو خیال آیا کہ بچی بھوکی ہو گی۔ بھنے ہوئے چنے اور ایسی ہی چند چیزیں اس کے پاس تھیں۔ انہوں نے بڑے پیار سے بچی کے سامنے یہ چیزیں رکھ دیں تو بچی انہیں کھانے لگی۔ اس کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ تھی۔

"اب آؤ بیٹا۔ جیسی رات ہماری گزرے گی' ویسے ہی تمہاری بھی گزرے گی۔ آؤ سو جائیں۔ صبح کو تمہیں تمہاری بستی میں پہنچا دیں گے۔ کیسے برے ماں باپ ہیں۔ اتنی خوبصورت بچی کو اس طرح چھوڑ دیا ہے۔ ارے کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ جنگل میں تو جانور بھی ہوا کرتے ہیں اور پھر اتنی سی بچی۔" شبن میاں بڑبڑاتے رہے۔ بہر حال بچی کے لئے ان کے دل میں پیار امڈ آیا تھا۔ بڑے پیار سے اس کے سر کو اپنے بازو پر رکھ کر اسے بدن سے لپٹا کر سلایا اور پھر خود بھی سو گئے۔ دوسری صبح اس وقت جاگے جب برگد کے درخت پر چڑیاں چہچہا رہی تھیں اور صبح کی روشنی نمودار ہوتی جا رہی تھی۔ بچی اب بھی ان کے بازو پر سر رکھے سو رہی تھی



اسے پیار سے جگایا تو وہ اٹھ بیٹھی۔ شبن میاں بولے۔

"چلو بیٹا گڑیا۔ اب بستی جا کر ہی خود بھی منہ ہاتھ دھوئیں گے اور تمہارا بھی منہ دھلوائیں گے اور پھر وہ بستی کی جانب چل پڑے۔ بچی کو انہوں نے اپنے کندھے پر بٹھا لیا تھا۔ بچی اس کے کندھے پر آرام سے بیٹھی ہوئی تھی اور خوشی خوشی یہ سفر کر رہی تھی۔ یہاں تک کہ شبن میاں بستی میں داخل ہو گئے۔ بستی کا نام رام گڑھی تھا۔ رام گڑھی میں انہوں نے سب سے پہلے کوئی مسجد تلاش کی اور ایک مسجد انہیں مل گئی۔ مسجد کے مولوی صاحب کے پاس پہنچ کر انہوں نے مولوی صاحب سے کہا کہ مائیک پر اعلان کر دیں۔ کوئی بچی اگر کھو گئی ہو تو اسے مسجد سے حاصل کر لیا جائے۔ مولوی صاحب کو اس نے ساری حقیقت بتائی۔ مولوی صاحب نے بھی بچی کو دیکھا اور آہستہ سے بولے۔

"بھیا رام گڑھی بہت بڑی جگہ نہیں ہے اور ہم سب ہی ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔ میں تو دعوے سے کہتا ہوں تم سے کہ یہ بچی رام گڑھی کی نہیں ہے۔"

"نہیں ہے؟"

"ہاں۔ ہم نے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ پھر بھی ہم اعلان کئے دیتے ہیں۔ بستی کی مسجد سے بار بار اعلان ہونے لگا۔ لیکن کوئی بچی کا وارث وہاں نہیں پہنچا۔ اس دوران شبن میاں مسجد کے پاس ہی رہے تھے۔ پھر شام ہو گئی اور شبن میاں نے بچی کو اپنی گود میں لے لیا۔ پھر بولے۔

"بیٹا تیرا تو یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ اب بتا کیا کریں؟"

"میں نہیں جاؤں گی۔" بچی نے جواب دیا۔

"ایں۔" شبن میاں اس کے دوبارہ بولنے پر چونکے۔

"ہاں میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"تو پھر بیٹا۔ پھر کیا کرے گی۔"

"تمہارے پاس رہوں گی۔"

"ارے ہمارے سینے پر رہ بیٹا۔ اللہ تعالیٰ اگر ایک روٹی دے گا تو آدھی

تجھے کھلائیں گے۔ آدھی خود کھائیں گے۔" شبن میاں نے مسجد کے سامنے
چبوترے پر ڈیرہ جما لیا۔ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد وہ بچی کو پاس لئے بیٹھے ہو
تھے کہ حکیم اکرام اللہ ان کے پاس پہنچ گئے۔
"آج بستی سے دن بھر اعلان ہوتا رہا ہے۔ کہ کوئی بچی گم ہو گئی ہے۔
وہ یہ ہی بچی ہے۔"
"جی۔"
"میرا نام حکیم اکرام اللہ ہے۔ حکمت کرتا ہوں۔ چھوٹا سا دواخانہ ہے۔
یہاں کیوں پڑے ہو بھائی۔ کیا تم بھی مسافر ہو؟"
"جی ہاں۔ اللہ کے فضل سے۔"
"تو پھر آؤ۔ کسی مسافر کو گھر میں جگہ دینا تو عین سعادت ہے۔ آؤ میر
ساتھ آؤ۔"
"آپ کو تکلیف ہو گی قبلہ۔"
"نہیں میاں تکلیف کیسی۔ آ جاؤ۔" اور حکیم اکرام اللہ شبن میاں کو ا
گھر لے آئے۔ ڈیوڑھی میں چارپائی ڈال دی اور کہنے لگے۔
"یہاں تمہیں زیادہ تکلیف نہیں ہو گی۔ پہلے آرام سے بیٹھو کچھ کھاؤ
اس کے بعد تم سے باتیں کریں گے۔" شبن میاں کو یہ سہارا بڑا اچھا ملا تھا۔
اکرام اللہ صاحب نے دواخانہ بھی گھر کے برابر ہی ایک چھوٹی سی جگہ میں کھولا
تھا۔ بیوی مر چکی تھی۔ جوان بیٹی کے باپ تھے۔ نگاہیں بھٹکتی ہی رہتی تھیں۔ کہ
شریف زادہ ملے تو بیٹی کی خوشیاں سمیٹ لیں۔ بس اسی حسرت و آرزو میں
میاں کو دیکھ کر نجانے کیوں ان کے دل میں ایک عجیب سا احساس ابھرا تھا۔ لیکن
میاں مسافر تھے۔ کون تھے۔ کہاں سے آئے تھے۔ رات کو جو کچھ بھی گھر میں پکا
لا کر سامنے رکھ دیا اور بولے۔
"لو بیٹے کھاؤ۔ ہم زیادہ خدمت تو نہیں کر سکیں گے چونکہ خود بھی
آدمی ہیں۔ لیکن یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔" کھانے کے بعد انہوں



کہا۔
"اب ذرا کچھ اپنے بارے میں تو بتاؤ؟"
"بس تن تنہا ہیں۔ لاوارث ہیں۔ دنیا میں کوئی نہیں ہے ہمارا۔ ایک اور
بستی میں رہتے تھے۔ وہاں سے نقل مکانی کر کے یہاں تک پہنچے ہیں۔ خیال ہے کہ
کچھ دال دلیے کا بندوبست ہو جائے تو ڈیرے جما دیں۔ لیکن اللہ نے اب یہ بچی
دے دی ہے۔ جب تک اس کا کوئی والی وارث نہیں مل جاتا اسے اپنے پاس ہی
رکھیں گے۔"
"نیک کام ہے میاں۔ اور پھر بچیاں تو اللہ کی نعمت ہوتی ہیں۔ اگر اللہ نے
تمہیں اس کا ہاتھ سونپا ہے تو پھر اس کی پرورش کرو۔ باقی سب کچھ اللہ پر چھوڑ
دو۔"
"آپ بہت نیک انسان ہیں ہمارے لئے کوئی بندوبست کریں۔"
"کیا نیک انسان ہیں میاں۔ بس یوں سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ دال دلیہ چلا دیتا
ہے۔ حکمت کرتے ہیں ویسے تمہیں حکمت سے کوئی دلچسپی ہے؟"
"دلچسپی تو ہمیں دنیا کی ہر چیز سے ہے۔ مگر زیادہ جانتے نہیں ہیں۔ اس
ارے میں۔"
"ہم سکھا دیں گے، اگر سیکھنا چاہو تو۔" حکیم اکرام اللہ کے ذہن میں کچھ
ور ہی کھچڑی پک رہی تھی۔ شبن میاں کو اس کے علاوہ اور کیا چاہیے تھا۔ دل و
ان سے تیار ہو گئے اور بالآخر حکیم اکرام اللہ نے انہیں اپنی شاگردی میں لے لیا۔
کمت تو خیر حکیم اکرام اللہ کو بھی نہیں آتی تھی۔ بس الٹی سیدھی دوائیں جڑی
ٹیاں اور شربت بنا کر کام چلا لیا کرتے تھے۔ شفا دینے والا تو اللہ ہوتا ہے۔ کوئی
ت سمجھ میں آئی تو دوا دے دی۔ اور بس اس سے آگے کچھ نہیں تھا۔ اور جو کچھ
ا جانتے تھے وہی انہوں نے شبن میاں کو بھی سکھانا شروع کر دیا۔ دلاری بیگم حکیم
رام اللہ کی دلاری تھیں۔ اکلوتی بیٹی، نہ کچھ آگے نہ پیچھے، حکیم اکرام اللہ شربت
ایا کرتے تھے۔ آدھا شربت دلاری بیگم کے معدے میں منتقل ہو جاتا تھا۔ چونکہ

اکلوتی بیٹی تھی اس لئے حکیم اکرام اللہ نے کبھی کھانے پینے سے منع نہ کیا۔ مربے پڑ
کرتے تھے۔ لیکن صورتحال وہی تھی ہر دوا چاہے وہ کیسی ہی ہو۔ دلاری بیگم پر اسے
آزمایا جاتا تھا۔ چنانچہ دلاری بیگم کھا کھا کر کپا ہو گئی تھی۔ پان کھانے کی شوقین تھی
چونکہ حکیم صاحب بھی پان کھایا کرتے تھے۔ بہرحال کچھ دنوں کے بعد دلاری بیگ
نے شبن میاں کے سامنے آنا شروع کر دیا۔ ادھر بچی شبن میاں کی زندگی بنی ہوا
تھی۔ شبن میاں ایک ہی تھے۔ بارہا انہوں نے حکیم اکرام اللہ کو سخت پریشان کیا او
حکیم صاحب ان سے خاصے نالاں ہو گئے۔ شبن میاں کی حرکتیں بے مثال تھیں
فطرتاً ہی ایسے تھے مثلاً ایک دن نہایت سنجیدگی سے حکیم اکرام اللہ نے کہا۔

"شبن میاں ایک مشورہ کرنا چاہتے ہیں آپ سے۔"

"جی فرمایئے۔"

"اصل میں ہم اپنی صاجزادی کے ہاتھ پیلے کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اس سا
میں کوئی مشورہ دے سکیں گے۔"

"کون سا مشکل کام ہے کل ہی لیجئے۔"

"کیا مطلب؟"

"کوئی مناسب مشورہ۔" شبن میاں نے کہا۔

حکیم اکرام اللہ مسکرانے لگے۔

لڑکے کی عادت سے واقف ہو گئے تھے۔ لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ و
گن کا پکا ہے۔ دوسرے ہی دن شبن میاں کہیں سے پیلا رنگ لے آئے۔ دلا
بیگم کے دونوں ہاتھ پھیلوائے اور پیلا رنگ ان پر رنگ دیا اور پھر مسکرا کر
صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"آپ اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔"

"کیا مطلب؟"

"دیکھ لیجئے۔ دلاری بیگم کے ہاتھ پیلے ہو گئے ہیں۔"

"میاں آپ نہایت ہی نامعقول آدمی ہیں۔ ہر چیز کا مذاق اڑانا اچھی



ہیں ہے۔"

"قبلہ آپ ہی نے فرمایا تھا کہ ہاتھ پیلے کرنے ہیں۔ ہم نے ہاتھ پیلے کر
یئے آپ خود ملاحظہ فرما لیجئے۔ بھلا اس میں ہمارا کیا قصور۔"

"احمق آدمی وہ ایک محاورہ تھا۔"

"کیا مطلب؟"

"ہاتھ پیلے کرنے کا مطلب ہے کسی کی شادی کر دینا۔"

"کمال ہے غلطی آپ کی ہے آپ سیدھی سیدھی بات ہی کرتے کہ ان کی
ادی کرنی ہے۔"

"چلو اب کہے دیتے ہیں۔"

"تو پھر میرا مشورہ مانیئے ان کی شادی کر دیجئے گا۔"

"لاحول ولا قوۃ بھئی کہاں کر دیں؟"

"جہاں آپ کا دل چاہے۔"

"سوچ لو۔"

"کیا مطلب؟"

"یعنی جہاں ہمارا دل چاہے۔"

"تو اس میں حرج کی کیا بات ہے؟"

"تو پھر بسم اللہ کرو تم ہی اب گھر والے بن جاؤ۔"

"ہم۔۔۔" شبن میاں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"کیوں کوئی خرابی ہے میری بیٹی میں اچھی شکل و صورت کی مالک ہے۔
رست ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ میری اکلوتی ہے میرے بعد جو کچھ ہے
اسی کا ہے۔" شبن میاں سوچ میں ڈوب گئے۔ پیشکش تو اچھی تھی گھر بار بھی مل
تھا بیوی بھی مل رہی تھی اور اس پر جما جمایا کاروبار اور کیا چاہیے۔ تھوڑی بہت
ت سیکھ ہی چکے تھے کام چلانا آ گیا تھا چنانچہ اب کوئی مشکل تو نہیں تھی۔ سعادت
ری سے سر جھکا دیا۔

"ہم تو آپ کے قدموں میں آئے پڑے ہیں جیسے مناسب سمجھیں۔" ا
اس کے بعد قاضی صاحب کو بلا کر شبن میاں کا نکاح دلاری بیگم سے کروا دیا گیا۔ ب
پان کا خرچہ لکھوا لیا گیا تھا باقی سب کچھ اللہ کا دیا موجود تھا۔ دلاری بیگم مسز ش
میاں بن گئیں اور اس کے بعد زندگی گزرنے لگی وقت آہستہ آہستہ اپنا سفر طے
رہا تھا لیکن شبن میاں گڑیا کے ساتھ ہمیشہ ہی محبت سے پیش آتے تھے۔ دلاری
بھی بس ثانوی ہی حیثیت رکھتی تھیں یعنی ضرورت پڑنے پر اگر چھوٹا موٹا کام ہو
کر دیا گیا اس میں وہ گریز نہیں کرتی تھیں ان کے اپنے شوق بھی پورے ہوتے ر
تھے شبن میاں ایک اچھے شوہر ثابت ہوئے تھے اور دلاری بیگم کی ہر فرمائش پو
کرتے تھے یہاں تک کہ وقت نے ساتھ نہ دیا اور حکیم اکرام اللہ بیمار ہو کر اللہ
پیارے ہو گئے حکیم شبن میاں اب ان کے جانشین بن گئے تھے اور بستی والوں
علاج کرنے لگے تھے۔ خیر حکیم کی حیثیت سے حکیم اکرام اللہ کی کوئی حیثیت
تھی کچھ لوگ تندرستی پا گئے تو پا گئے وہ اللہ کی طرف سے ہوتی تھی۔ یہی کیفیت
شبن میاں کی تھی لیکن حکیم شبن میاں نے حکیم اکرام اللہ کا بورڈ ہٹا کر اپنے نا
بورڈ لگا دیا تھا۔ جس پر لکھا ہوا تھا "حکیم شبن مسیح الملک حضرت شمشاد علی
جانشین اور اکرام اللہ کے داماد" یہ عجیب و غریب بورڈ لگا ہوا تھا اور لوگ اسے
کر مسکرا دیا کرتے تھے۔ بہر حال اس طرح دوکان حکمت چل رہی تھی کہ ایک
ایک عجیب واقعہ ہوا ایک مریض آیا اور اس کی کافی حالت خراب تھی۔ حکیم
میاں کے پاس علاج کے لئے لایا گیا۔ حکیم شبن میاں نبض دیکھنے لگے پھر اپنی جگہ
اٹھے اور آنکھیں بند کر کے دوا کی ایک شیشی پر ہاتھ رکھ دیا یہی وہ ہمیشہ کیا کرتے
حالانکہ دل میں ذرا سے پریشان تھے کہ صورتحال نازک ہے کہیں مریض چل
بسے وہ دوا کی شیشی نکال کر پڑیا بنا رہے تھے کہ دفعتاً ان کے کانوں میں ایک
ابھری۔ "یہ نہیں وہ جو نیلی شیشی ہے اس میں سے دوا دے دیجئے۔" حکیم
میاں نے چونک کر ادھر دیکھا اور حیرانی سے اس آواز کو سننے لگے پھر اچانک ہی
گڑیا کا خیال آیا آواز گڑیا ہی کی تھی وہ ادھر ادھر گڑیا کو تلاش کرنے لگے وہ تو



ں آئی لیکن حکیم شبن میاں نے نجانے کیوں اس کی بات مانی اور نیلی شیشی میں جو
ی بوٹی پسی ہوئی رکھی تھی وہ ہی نکال کر مریض کو دی پھر تین خوراکیں باندھ کر
ے دیں اور اس وقت وہ سخت حیران رہ گئے جب رات کو دس گیارہ بجے کے
ب کچھ لوگ ان کے دروازے پر پہنچ گئے دستک ہوئی دروازہ کھلا اور شبن میاں
یں دیکھ کر حیران رہ گئے۔

"مٹھائی لائے ہیں ہم آپ کے لئے ہمارا وہ بھائی جس کا آپ نے علاج کیا
آپ کی تین ہی پڑیوں سے صحت یاب ہو گیا ہے۔"

"واللہ سچ کہہ رہے ہیں آپ یا میرا مذاق اڑا رہے ہیں؟"

"نہیں حکیم صاحب آپ نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے ہم اس کا صلہ
پ کو کبھی نہیں دے سکتے۔"

"سبحان اللہ بہت بہت شکریہ یارو شبن میاں حیران رہ گئے پھر تو یہی ہونے
مریض آتے شبن میاں انہیں دوائیں دیتے تو ان کے کانوں میں گڑیا کی آواز
ونجتی اور وہ اس کے کہنے کے مطابق دوا دینے لگتے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مریض صحت
ب ہونے لگے اور شبن میاں کی شہرت اب رام گڑھی سے نکل کر آس پاس کے
اقوں میں پھیلنے لگی اس کے بعد تو قدرت نے شبن میاں کا ہاتھ اس طرح تھاما کہ
ر دور سے لوگ آنے لگے بس جڑی بوٹیوں کا کوئی مسئلہ نہیں تھا جنگل میں نکل
تے جو ہاتھ لگتا لے آتے۔ چھانتے، پھر کوٹتے اور اسے بھر لیا کرتے اور بس کام
ں جاتا اللہ کی دین ہے مگر شبن میاں کبھی کبھی گڑیا پر حیران ہوا کرتے تھے۔ وہ منہ
ے کچھ نہیں بولتی تھی اور خاموش ہی رہا کرتی تھی۔ اپنی باتوں میں مگن اپنے
الات میں مصروف کبھی خاموشی سے ایک گوشے میں بیٹھی ہوئی اپنے آپ سے
یں کرتی لیکن ہونٹوں سے کبھی آواز بلند نہ ہوتی کئی بار دلاری بیگم نے شبن میاں
ے کہا تھا۔

"اے میں نے کہا سنتے ہو۔"

"جی ہاں سنتا ہوں بہرا نہیں ہوں۔"

"اجی یہ بچی آخر ہے کون کوئی ہے اس کا دنیا میں یا نہیں؟"

"ہم جو ہیں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اس کی کچھ عجیب سی باتیں دیکھنے کو ملی ہیں۔"

"کیا؟"

"کل رات میں سو کر اٹھی تو نجانے کس کام سے صحن میں آئی یہ صحن بیچوں بیچ بیٹھ کر ہنس رہی تھی اور مجھے کسی کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔"

"نبض دکھایئے۔" شبن میاں نے بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں کیا مجھے پاگل سمجھ رہے ہیں آپ؟"

"باتیں تو آپ ایسی ہی کر رہی ہیں۔ بھلا یہ بیچاری کس سے باتیں کرے ہے ہمارے سوا۔"

"نہیں میں قسم کھا کر کہتی ہوں کچھ نہ کچھ تھا ضرور۔"

"آپ خدا کے واسطے قسم نہ کھایئے بلکہ کھانا کھایئے۔" شبن میاں بات آئی گئی کر دی پھر وہ خود بھی حیران تھے اور ساری باتیں اپنی جگہ لیکن مریضہ کے سلسلے میں گڑیا کی جو آواز انہیں سنائی دیتی تھی اس نے انہیں ششدر کر رکھ اور ان کی شہرت کا راز بھی یہی تھا پھر یہ ہوا کہ حیثیت بدلنے لگی وہ چھوٹا سا مر بڑے سے مکان میں تبدیل ہو گیا دوا خانے کی بھی نئی بنیادیں پڑیں اور خوب بڑ گیا اور اس میں مسیح الملک شبن میاں کا نام جگمگانے لگا لوگ دور دور سے آنے تھے اور حکیم شبن میاں کی شہرت نجانے کہاں سے کہاں پہنچ گئی تھی۔ وہ جانتے کہ یہ سب بنی کی بات ہے اور بگڑی تو سنبھالنے والا مشکل ہو جائے گا تو ایک ر برا وقت آ گیا ایک بہت بڑی گاڑی حکیم شبن میاں کے مطب کے سامنے آ رات کے قریب جا کر رکی تھی اور اس سے کئی افراد نیچے اتر آئے تھے دروازہ گیا حکیم شبن میاں سوتے سے جاگے تھے باہر آئے تو اوسان خطا ہو گئے۔

"فرمایئے کیا بات ہے؟"

"آپ کو چلنا ہے ہمارے ساتھ حکیم صاحب!"



"ک کہاں کیا آپ ہمیں اغواء کرنے آئے ہیں؟"

"نہیں آپ کو ریاست چلنا ہے۔"

"کون سی ریاست؟"

"نواب نگر۔"

"م مگر کیوں؟"

"آپ کو نواب معظم علی خان کا علاج کرنا ہے۔"

"نواب معظم علی۔"

"ہاں۔"

"لیکن دیکھئے ہم کہیں جاتے نہیں ہیں۔"

"آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟"

"ن نہیں، بخدا بالکل خیریت سے ہیں۔"

"تو فوراً تیار ہو جایئے اور ہمارے ساتھ چلئے۔"

"مگر ہماری بات تو سنئے۔"

"جاتے ہیں یا پھر آپ کے ساتھ سختی کی جائے۔" آنے والے نے سخت میں کہا۔

"مگر حضور قبلہ ہماری بات تو سنئے۔" شبن میاں کو اندازہ ہو گیا کہ اب بت آ ہی گئی بھلا وہ کیا جانے علاج کیا چیز ہوتی ہے وہ تو بس کام چل رہا تھا۔ اس آواز سے جو انہیں حکیم بنانے کا باعث بنی تھی لیکن آنے والوں کے تیور اس خراب تھے کہ انہیں اندر جانا ہی پڑا۔ دلاری بیگم کو جگایا اپنے پچھلے گناہوں کی ی مانگی اور کہا کہ ان کا انتظار ضرور کریں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ زندگی میں کبھی واپس ی جائیں۔ گڑیا کا خیال رکھا جائے اسے کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔ دلاری بیگم سو بہانے لگی تھیں شوہر پر برا وقت پڑا تھا لیکن بہرحال مطمئن تھیں کہ اب اللہ کا اتنا موجود ہے کہ بیوگی کی زندگی بھی آسانی سے گزاری جا سکتی ہے اور پھر اولاد کی گڑیا تو تھی ہی جو اب بڑی ہوتی چلی جا رہی تھی لیکن انداز وہی تھا۔ خاموش اور

پر اسرار ذہن میں نجانے کیا کیا راز چھپائے ہوئے جو آج تک کسی کو پتہ نہیں
سکتے تھے۔ بالآخر حکیم صاحب نے الٹی سیدھی دوائیں ساتھ لیں اور انہیں ایک
میں بند کر کے باہر نکل آئے تب انہیں گاڑی میں بٹھایا گیا۔ ریاست نواب پو
دور تھی رات بھر کا سفر اور پھر دن کو بھی کئی گھنٹے کا سفر کوئی دس بجے حکیم شبن
برے حال میں خوبصورت سی حویلی میں پہنچے تھے جو نواب معظم علی کی حویلی تھ
شان و شوکت تھی اس کی۔ کیا انداز تھا معلوم ہوتا تھا کسی راجہ کا محل ہو فر
چمک رہا تھا کہ شبن میاں کو اپنے قدم جمانا مشکل ہو رہے تھے بار بار پھسلتے تھے
بہرحال کسی نہ کسی طرح اس کمرے تک پہنچ گئے جس میں نواب صاحب بستر پر
تھے۔ خدام آس پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ بیگم نواب پردہ کر کے اندر چلی گئی
نواب صاحب کی حالت واقعی کافی خراب تھی سوکھ کر کانٹا ہو گئے تھے۔ چہ
پیلاہٹ تھی سانس کی رفتار بھی بہت سست تھی شبن میاں نے ان کی نبضیں د
سمجھ میں کیا آتا بس ٹھنڈی سانسیں لے کر رہ گئے۔ وہاں مطب میں
کبھی ایسے موقعوں پر گڑیا کی آواز سنائی دے دیتی تھی لیکن یہاں کوئی آواز نہی
گڑیا تو اب کوسوں دور تھی کیا کریں کیا نہ کریں سوچ رہے تھے کہ نوابوں کا
ہے ذرا سی بات بگڑ گئی تو صورتحال خراب ہو جائے گی وہ شخص جو سب سے ز
مزاج نظر آتا تھا نواب صاحب کا خادم خاص علی احمد تھا وہ ذرا سنکی آدمی معل
تھا اور خاصی تلخ طبیعت رکھتا تھا۔ اس نے کہا۔

"دیکھئے شبن میاں نواب صاحب کو ٹھیک ہو جانا چاہیے۔ آپ
شہرت سنی ہے ہم نے اور کچھ لوگوں نے دعوے کئے ہیں کہ اگر حکیم شبن
دکھایا جائے تو نواب صاحب کی حالت بہتر ہو سکتی ہے آپ سمجھ لیجئے کہ نواب
کو تندرست کرنا ہے آپ کو۔ ورنہ دوسری صورت میں جو نقصان آپ کو پہنچ
کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"دیکھئے شفاء تو اللہ کے ہاتھ میں ہے ہم کوشش کریں گے مگر ہم
وقت درکار ہے۔" شبن میاں نے کہا اور یہ وقت انہیں مل گیا ایک عمدہ



ان کا بندوبست کر دیا گیا تھا دن گزر گیا رات ہو گئی شبن میاں کی سمجھ میں نہیں آ
تھا کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں یہ الٹی سیدھی دواؤں کا معاملہ نہیں تھا ذرا بھی کوئی
ت بگڑ گئی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے اور شبن میاں کو زندگی بچانا مشکل ہو جائے
۔ یہ بات وہ اچھی طرح جانتے تھے رات ہوئی تو وضو کر کے چلہ کشی کرنے بیٹھ
، چلہ کشی کیا تھی بس خدا سے اپنے لئے مغفرت کی دعا مانگ رہے تھے اور کہہ
ہے تھے کہ زندگی اگر یہیں پر اختتام کو پہنچنی ہے تو اللہ تیری مرضی یہی تمام باتیں کر
ہے تھے کہ اچانک ہی ان کے کانوں میں ایک باریک سی آواز ابھری۔

"پریشان کیوں ہیں نواب صاحب کا علاج کریں۔" اس آواز کو سن کر شبن
ں حیرت سے اچھل پڑے تھے۔

"ک کیا علاج کریں۔" انہوں نے کہا۔

"پانی گرم کرا لیجئے اور اسے نواب صاحب کو اتنا پلایئے کہ ان سے پیا نہ
ئے لیکن بہرحال یہ پانی انہیں پلانا ہے اور اس کے بعد انہیں چھت سے الٹا لٹکا دیا
ئے پانی گرم ہونا چاہیے اور اس کا خاص طور سے خیال رکھا جائے۔"

"الٹا لٹکا دیا جائے۔" شبن میاں چونک کر بولے۔

"ہاں۔"

"م مگر اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔"

"نتیجہ بہتر ہی نکلے گا۔"

"آخر کیوں؟"

"بات اصل میں یہ ہے کہ نواب صاحب کے معدے میں چھپکلی چلی گئی ہے
ر یہ چھپکلی ان کے معدے سے چمٹی ہوئی ہے اس نے ان کی غذا ختم کر دی ہے اور
ا کے ختم ہونے کی وجہ سے کمزوری پیدا ہو گئی ہے اور یہ کمزوری ہی سب سے
ی بیماری ہے نواب صاحب لاکھ انکار کریں مگر آپ انہیں خوب پانی پلایئے بار بار
ت سے اتاریئے اور پانی پلا کر پھر لٹکا دیجئے۔ چھپکلی کو گرمی پہنچے گی تو وہ حلق ہی کے
استے باہر آ جائے گی۔"

"اور اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔"

"نواب صاحب کی صحت یابی۔"

"صحت یابی سے پہلے ہماری صحت کی خرابی کے بارے میں کیا خیال ہے

"کیا مطلب؟"

"نواب صاحب کو الٹا لٹکانا کوئی آسان کام ہو گا وہ دیوان جو ہے جس احمد علی ہے وہ ہمیں مار مار کر خود الٹا لٹکا دے گا۔"

"جو کچھ بھی ہو آپ کو یہ کرنا ہے۔"

"اللہ مالک ہے۔" حکیم صاحب نے کہا بات تو سمجھ میں آتی تھی طریقہ کار ذرا خوفناک تھا اور اس کے لئے دیوان علی احمد کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ انہوں نے دیوان علی احمد کو بتایا۔

"دیوان صاحب ہم نے رات کو اپنے اصول کے مطابق چلہ کشی کی ہے ہم پر کشف ہوا ہے کہ نواب صاحب کا علاج تو ممکن ہے مگر جو علاج کرنا ہو گا ہمیں شاید آپ لوگ پسند نہ کریں۔"

"حکیم شبن میاں نواب صاحب کو صحت یاب ہونا چاہیے بس اسی آپ کی زندگی ہے۔"

"تو پھر سن لیجئے۔ نواب صاحب کے ساتھ جو سلوک ہو گا وہ آپ برداشت کرنا پڑے گا۔"

"کیا سلوک ہو گا۔۔۔" جواب میں شبن میاں نے تفصیل بتائی تو علی گرم ہو گیا۔

"آپ کی کھوپڑی پر اتنے جوتے پڑیں گے کہ آپ کا بھیجا ناک کے را باہر نکل آئے گا۔"

""""تو پھر آپ ایسا کیجئے کہ اپنا کام کر ڈالیئے بجائے اس کے کہ مجھے اپنا کرنے دیں۔" بیگم نواب کو جب اس سلسلے میں تفصیل بتائی گئی تو انہوں نے دی علی احمد کو ڈانٹا اور بولیں۔



"حکیم صاحب کو لائے ہیں تو پھر انہیں ان کا علاج کرنے دیجئے آخر اس میں اتنی پریشانی کی بات کیا ہے؟"

"مگر نواب صاحب کو الٹا لٹکائیں گے وہ۔"

"اب ضرورت ہے تو اس سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا۔"

"ٹھیک ہے اگر آپ کا حکم ہے تو پھر میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" علی احمد نے کہا اور حکیم شبن میاں کی ہدایات کے مطابق تیاریاں ہونے لگیں۔

❀❀❀

بڑی دلچسپ صورتحال تھی حکیم صاحب یہ سب کچھ کر تو رہے تھے لیکـ
جان کی بازی لگ گئی تھی اتنی بڑی ریاست کے نواب کو چھت سے الٹا لٹکانا کوئی ء
بات نہیں تھی اگر فائدہ نہ ہوا تو اس کے بعد حکیم صاحب جانتے تھے کہ خود ان
ساتھ کیا سلوک ہو گا گڑیا کی بات جب بھی مانی تھی فائدہ تو ہوا تھا اور فائدہ بھی ا
حاصل ہوا تھا کہ وارے نیارے ہو گئے تھے لیکن اتنا بڑا کوئی خطرہ درپیش نہیں
تھا۔ بیگم صاحبہ نے بھی کہہ دیا تھا کہ اگر نواب صاحب صحت یاب ہو گئے تو وہ
مانگیں گے دیا جائے گا جاگیر، دولت، خلعت فاخرہ ہر چیز ان کے لئے ہو گی۔ شـ
میاں کو یہ ساری چیزیں دلکش تو محسوس ہوئی تھیں لیکن بات وہی تھی کہ اب مر
نہ کرتا جو کہا تھا وہ کرنا ہی تھا بیچارے نواب صاحب ویسے ہی نیم جان تھے اور ان
ساتھ یہ سلوک کوئی بھی لمحہ دل کی دھڑکنیں بند کر سکتا تھا لیکن وہی ہوا جو کرنا تھا
وہی کیا گیا جو کیا جانا تھا۔ نواب صاحب کو زبردستی گرم پانی پلایا گیا اور ان کی چیـ
آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ بیگم صاحبہ سے تو دیکھا بھی نہ گیا۔ وہاں سے چلی گـ
علی احمد نے خنجر نکال لیا تھا غصے سے اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں تھیں لیکن



میاں آنکھیں بند کر کے عمل کر رہے تھے اور بس اللہ اللہ کر رہے تھے۔ زندگی موت سے ہم آغوش ہو رہی تھی سارا دن یہی عمل کیا جاتا رہا اور یوں محسوس ہوا کہ اب نواب صاحب اب گھڑی جب گھڑی کے مہمان ہیں یہ گئے اور وہ گئے الٹیاں ہو رہی تھیں اور پانی نکل رہا تھا۔ پھر اچانک ہی کچھ ہوا وہ طشت جس میں الٹیاں لی جا رہی تھیں پانی سے بھر جاتا تھا تو اس کی جگہ دوسرا طشت رکھ دیا جاتا تھا اور پہلا طشت خالی کرنے کے لئے لے جایا جاتا تھا۔ پھر اس طشت میں کوئی چیز کلبلاتی ہوئی محسوس ہوئی اور شبن میاں خوشی سے اچھل پڑے ایک لمحے میں دیکھ لیا گیا تھا کہ وہ چھپکلی ہے جو پیلے پیلے پانی کے ساتھ باہر آ گئی تھی۔ چھپکلی کو دیکھ کر علی احمد بھی چکرا کر رہ گیا۔ شبن میاں نے یہ بات بتا دی تھی کہ نواب صاحب کے معدے میں چھپکلی موجود ہے اور جب وہ سامنے آئی تو علی احمد بھی حیران رہ گیا۔ شبن میاں نے کہا۔

"لیجئے بس اب نواب صاحب کو آرم سے لٹا دیجئے گا اور دودھ پلایئے گا۔"

اور پھر تو دھوم مچ گئی کہ مسیح الملک نے کیا کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ نواب صاحب کی حالت دوسرے ہی دن بہتر ہو گئی تھی تیسرے دن وہ اٹھ کر بیٹھ گئے چوتھے دن چلنے پھرنے لگے اور ایک ہفتے کے اندر ان کے چہرے پر خون کی سرخی واپس آ گئی اس دوران گویا حکیم شبن میاں کو قید میں رکھا گیا تھا۔ ویسے عزت و احترام خوب ہوتا تھا سب لوگ توقیر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بڑے بڑے حکماء ملنے آئے تھے اور شبن میاں کی تعریفوں میں زمین آسمان کے قلابے ملائے جا رہے تھے۔ شبن میاں خوشی سے دیوانے ہوئے جا رہے تھے لیکن بہت سے احساسات دامن گیر تھے۔ انہیں نہ تو جاگیر کی ضرورت تھی نہ خلعت فاخرہ کی مالک دو جہاں نے جان ہی بچا لی تھی یہ کونسا کم تھا امید ہی نہیں تھی کہ کوسوں دور سے یہ آواز سنائی دے جائے گی۔ لیکن صدقے جائیں قدرت کے جسے دینے پر آتی ہے چھپر پھاڑ کر دیتی ہے حکیم صاحب تو اس دنیا سے چلے گئے تھے لیکن دوکان حکمت ان کے حوالے کر گئے تھے اور یہ دوکان حکمت کیا تھی بس لوگوں کو بیوقوف بنانے کے لئے شیشیاں بھر کر رکھ دی گئی تھیں اور وقت گزر رہا تھا۔ لیکن مل گئی یہ دولت بے بہا جس نے تقدیر ہی بدل دی اولاد

کی خواہش بھی پوری ہو گئی تھی اور وارے کے نیارے الگ ہو گئے تھے لیکن یہ
دیوان علی احمد خاصا سنکی آدمی معلوم ہوتا ہے عقیدت میں آیا تو ایسے کہ جانے ہی
نہیں دے رہا تھا۔ عقیدت کے کچھ اور بھی تو ذرائع ہوتے ہیں کچھ لے دے کے
چھٹی کر دے کسی دوسرے کے سہارے پر کب تک جیا جا سکتا ہے کون جانے ویرانے
میں ملنے والی یہ قیمتی دولت کب تک حکیم شبن میاں کے ہاتھ رہے کسی دن اپنے
مسکن کی جانب واپس لوٹ گئی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے پھر کہاں سے لوگوں کا
علاج کریں گے کون ان کے کانوں میں دوائیں پھونکے گا بستی کے لوگ تو خیر سیدھے
سادھے غریب اور شریف لوگ تھے قبلہ ابا میاں یعنی سسر صاحب خود بھی انہیں الٹی
سیدھی دوائیں دے کر بیوقوف بناتے رہے تھے اور زندگی گزارتے رہے تھے حکیم
شبن میاں کا کاروبار بھی ایسا ہی چل رہا تھا کچھ نہ کچھ دال دلیا مل رہا تھا لیکن اس کے
بعد شورتحال بدل گئی اور پھر اب یہ کیفیت تھی کہ علی احمد جانے ہی نہیں دیتا تھا کہتا
تھا حکیم شبن میاں نواب پور میں منتقل ہو جائیے جاگیر ملے گی دولت ملے گی عزت
ملے گی شہرت ملے گی بس یہاں سے جانے کا نام نہ لیجئے اور شبن میاں بری طرح
پریشان تھے جو صورتحال یہاں دیکھی تھی اسے دیکھ کر دل دہلتا تھا چاروں طرف مسلح
پہرے دار گھومتے پھرتے تھے۔ علی احمد کی تو خوب ہی چلتی تھی جو کہہ دیتا وہ کرنے پر
آمادہ ہو جاتے۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ یہاں آنے کے بعد کیا کیفیت ہونی
چاہیے۔ اپنی بستی تو اپنی ہی تھی وہاں کے سیدھے سادھے لوگ زیادہ تیز چالاک
نہیں تھے اگر گڑیا کبھی چلی گئی تو بستی والے تو پھر بھی بہل جائیں گے بلکہ برسوں حکیم
شبن میاں سے علاج کرائیں گے اور اس کے بعد جب رفتہ رفتہ انہیں علم ہو گا کہ
شبن میاں کے ہاتھ میں شفاء نہیں رہی ہے تو زیادہ سے زیادہ یہی ہو گا کہ وہ کسی
دوسرے حکیم سے علاج کرالیں گے لیکن نواب معظم علی کے ہاں رہ کر ان لوگوں
مستقل بیوقوف بناتے رہنا حکیم شبن میاں کے بس کی بات نہیں تھی جہاں تک گڑیا
مسئلہ تھا وہ بے شک وفادار تھی اس نے آج تک کسی موقع پر حکیم شبن میاں
مایوس نہیں کیا تھا لیکن وہ اتنا ضرور جانتے تھے کہ وہ ان کی اپنی اولاد نہیں ہے اد



کوئی ایسی پراسرار اور مافوق الفطرت سی ہستی ہے جو نجانے کہاں سے بھٹک کر ان کے
پاس چلی آئی ہے چنانچہ وہ یہ خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ پھر ایک دن نواب معظم
علی نے انہیں طلب کر لیا اور کہا۔

"حکیم صاحب قبلہ اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

"حضور ہم واپس جانا چاہتے ہیں۔"

"نہیں یہ میں نہ ہونے دوں گا آپ نے مجھے نئی زندگی عطا کی ہے اس کا
کچھ تو صلہ مجھے دینا ہو گا اور پھر کیا کہا جا سکتا ہے کہ کب مجھے آپ کی ضرورت پیش
آ جائے۔"

"حضور نہ گھوڑا دور ہے نہ میدان خادم کی ضرورت جس وقت بھی ہو
طلب کیا جا سکتا ہے۔ بھلا حکیم شبن کی یہ مجال کہ معظم علی کی طبیعت ناساز ہو اور وہ
نہیں پہنچیں۔ ہمیں تو ہماری بستی ہی میں رہنے دیا جائے ہم وہیں خوش ہیں۔"

"سبحان اللہ کیا شان بے نیازی ہے اتنے بڑے حکیم اور اتنی چھوٹی سی
دوکان نہیں حکیم صاحب نہیں آپ کی انکساری اور قناعت پسندی اپنی جگہ لیکن
ہمارے بھی کچھ فرائض ہیں۔ ہماری جان بھی کچھ معمولی تو نہ تھی کہ اس کا کچھ صلہ
نہ دیا جائے۔ آپ نے تو وہ کیا ہے حکیم صاحب جس کا دوسرے لوگ تصور بھی نہیں
کر سکتے تھے یہ تو قدرت ہی کا اشارہ تھا کہ آپ کا نام کانوں تک پہنچا اور اتفاق کی بات
یہ کہ کسی نے اس پر اعتراض بھی نہ کیا۔ اتنے بڑے بڑے حکیم نجانے کہاں کہاں
سے آئے سب نے نبضیں دیکھیں دوائیں گھوٹیں اور ناکام رہے ان کے سامنے اس
چھوٹی سی بستی کے حکیم شبن میاں کی بھلا کیا حیثیت تھی لیکن ہم نے آپ کو نظر
انداز نہیں کیا ہم تو اسے اللہ کا حکم ہی کہہ سکتے ہیں۔ رہی بات آپ کی انکساری کی تو
سچ بات یہ کہ جتنے بڑے آج تک دنیا میں گزرے ہیں وہ سب قناعت پسند ہی نظر
آئے۔ حکیم صاحب ایسی ناقدری تو ہم سے نہیں ہو سکے گی جو آپ کا فرض تھا وہ
آپ نے پورا کیا اور جو ہمارا فرض ہے وہ ہم پورا کریں گے۔ آپ آرام کیجئے گا۔"

"لیکن حضور قبلہ۔"

"نہیں حکیم صاحب ہم کچھ سننے کے موڈ میں نہیں ہیں۔"

حکیم شبن میاں کی زبان بند ہو گئی۔ دل کا حال تو خدا ہی جانتا تھا۔ عجیب عجیب خیالات دل میں آ رہے تھے۔ تب انہوں نے سوچا کہ تقدیر اگر یہی فیصلہ کرنے پر تلی ہوئی ہے تو بھلا تقدیر سے کون لڑ سکتا ہے۔ اب جو ہو گا دیکھا جائے گا چنانچہ خاموش ہو رہے ویسے بھی ابھی معظم علی صاحب کا علاج جاری تھا۔ ان کا مرض تو دور ہو چکا تھا اعلیٰ قسم کی غذائیں اور خوراک ان کے معدے میں پہنچی تو حالت بہتر سے بہتر ہوتی چلی گئی۔ پہلے بھی کیا خوب صحت کے مالک تھے لیکن اب تو ایسے ہٹے کٹے ہو گئے تھے کہ دیکھنے والے دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا خدا کی شان ہے قوت مدافعت کا بھی معاملہ تھا۔ چنانچہ تیزی سے خون کی سرخی بحال ہونے لگی اور ریاست میں نواب صاحب کا جشن منانے کی تیاریاں ہونے لگیں اس دوران ایک بار پھر نواب صاحب نے حکیم صاحب کو طلب فرمایا تو حکیم شبن میاں ہانپتے کانپتے نواب صاحب کے سامنے پہنچے۔

"آیئے حکیم صاحب بڑی ضرورت محسوس کر رہے تھے ہم آپ کی آیئے تشریف رکھیئے۔" انہوں نے عزت و احترام سے کہا اور شبن میاں ممنونیت سے بیٹھ گئے کبھی کبھی تو دل میں یہ خیال ابھرتا تھا کہ ایک بار صرف ایک بار اگر موقع ملے تو ذرا ابا کو یہاں بلایا جائے۔ اماں کو بھی یہاں لایا جائے اور انہیں دکھایا جائے کہ دیکھو زندگی بھر نکھٹو اور ناکارہ کہتے رہے اب یہ تمہارے نکھٹو اور ناکارہ بیٹے نے کیا کچھ کر دکھایا ہے لیکن اس میں کچھ خطرات بھی تھے فرزند خان ویسے ہی اکھڑ آدمی تھے نجانے کیا کیا اول فول بکنا شروع کر دیتے۔ سوچنے سمجھنے کی ضرورت تھی یہ کام ابھی تو نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ذرا وقت گذر جائے تو کچھ ذہن میں آئے کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے بہر حال اپنے آپ کو اس خیال سے نکالا اور نواب صاحب کی طرف دیکھ کر بولے۔

"حضور قبلہ نواب معظم علی صاحب خادم کو کس لئے طلب فرمایا ہے۔"

"بات اصل میں یہ ہے حکیم صاحب کہ زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں



ہے لیکن مسیحا بھی قدرت کی طرف سے ہی ودیعت ہوتا ہے۔ آپ صحیح معنوں میں میرے مسیحا ہیں اگر صحیح مرض کی تشخیص نہ ہوتی تو شاید ہم زندگی نہ پاتے۔" شبن میاں نے اس کے ساتھ ہی سر جھکا لیا اور ممنونیت سے بولے۔

"نواب صاحب ہم کیا اور ہماری بساط کیا۔ ہم کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شفاء کا ذریعہ ہمیں بنایا اس کا بڑا کرم ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے۔۔۔" نواب صاحب نے تائید کی پھر بولے۔

"آپ یہ فرمایئے کہ آپ کو یہاں کسی قسم کی تکلیف تو نہیں ہے۔"

"نہیں نواب صاحب بھلا آپ جیسی شخصیت ہماری پشت پناہ ہو اور ہمیں کوئی تکلیف ہو۔" دیوان احمد علی نے کہا۔

"نواب صاحب کچھ عرض کرنے کی جسارت کر سکتا ہوں۔"

"ہاں کہیے دیوان جی کیا کہنا چاہتے ہیں؟"

"حضور جشن صحت کی پہلی رونمائی پر میں حکیم صاحب کے لئے کچھ تحائف مہیا کر چکا ہوں اجازت چاہتا ہوں کہ آپ کے عام دیدار کے دن یہ تحائف میں حکیم صاحب کی نظر کر دوں۔"

"واہ دیوان علی احمد آپ سے ہمیں اسی بات کی توقع تھی۔ بہت مسرت کی بات ہے حکیم صاحب بے شک اسی قابل ہیں لیکن ہم کچھ اور بھی جاننا چاہتے ہیں۔" نواب صاحب نے کہا اور شبن میاں کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ دیوان علی احمد نے نواب صاحب سے کہا۔

"جی حضور فرمایئے۔" اور دیوان علی احمد کچھ سوچنے لگا۔ اس کے چہرے پر غور و خوض کی پرچھائیاں دیکھ کر حکیم شبن میاں کو پھر خطرہ ہوا کہ دیوان علی احمد کو کہیں ان کی اصلیت نہ معلوم ہو گئی ہو۔ حقیقت یہی ہے کہ انسان سب سے زیادہ اپنے آپ سے خوفزدہ رہتا ہے اور شبن میاں جانتے تھے کہ وہ کون ہیں۔ چنانچہ خوفزدہ نگاہوں سے دیوان علی احمد کا چہرہ دیکھنے لگے۔

"بھئی حکیم صاحب جس چھوٹی سی بستی میں رہتے ہیں۔ اس کے بارے میں

ہم نے سنا ہے کہ بڑی پسماندہ ہے۔ وہاں زندگی کا معقول انتظام نہیں ہے۔ یہ بستی ہماری ریاست کی تحویل میں نہیں آتی۔ لیکن ہماری خواہش ہے کہ ہم حکیم صاحب کو منتقل کرلیں۔ یہاں حکیم صاحب کو تمام وہ سہولتیں مہیا کی جائیں گی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ ہمارے لئے مخصوص ہو کر رہ جائیں لیکن یہاں ان کا ایک عالیشان مطلب تعمیر کرایا جائے اور خاص و عام کو ان سے فیض یاب ہونے کا موقع دیا جائے۔ البتہ ہماری اتنی خواہش ضرور ہے کہ اب حکیم صاحب ہماری ریاست میں رہیں۔ قبلہ حکیم صاحب آپ کو تو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

نواب صاحب نے براہ راست حکیم شبن میاں سے پوچھ لیا۔ شبن میاں ممنونیت سے گردن جھکا کر بولے۔

"جناب والا کا مرتبہ بلند ہو اگر حضور خادم کو یہ عزت دینے پر تل ہی گئے ہیں۔ تو خادم کی کیا مجال کہ انکار کر سکے۔ چنانچہ بات طے ہو گئی اور حکیم صاحب کو حویلی کے ہی ایک حصہ میں رہنے کے لئے ایک عمدہ جگہ مرحمت فرما دی گئی۔

جشن کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی تھیں۔ نواب صاحب نیک نام آدمی تھے۔ نوابزادہ فرخ حسن اپنے باپ کی صحت یابی پر بہت خوش تھے۔ عالی شان جشن منانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اسی دوران شبن میاں نے علی احمد سے اپنی اس خواہش کا اظہار بھی کر دیا۔ اگر ہو سکے تو ان کی بیٹی اور بیگم کو بھی یہیں بلوا لیا جائے۔ ظاہر ہے وہاں پڑے پڑے وہ پریشان ہوں گے اور سوچ رہے ہوں گے کہ نجانے شبن میاں پر کیا گزری؟"

"یہ کون سی بڑی بات ہے حکیم صاحب قبلہ۔ آپ نے پہلے فرما دیا ہوتا۔ محترمہ کو عزت و احترام کے ساتھ یہاں بلوا لیا جائے گا۔" علی احمد نے کہا۔ دیوان کا حکم دوسرے لوگوں تک پہنچا تو کس کی مجال تھی کہ تاخیر کرتا۔ بیگم صاحبہ کے لئے چار گھوڑوں والا رتھ روانہ کر دیا۔ حکیم صاحب کی بیوی جو بہت ہی کم گھر سے باہر نکلتی تھیں۔ گڑیا کے ساتھ رتھ میں بیٹھ کر نواب پور چل پڑیں۔ انہیں ابھی تک علم نہیں تھا کہ شبن میاں پر کیا بیتی۔ اتنا تو وہ جانتی تھیں کہ شبن میاں نہ حکیم ہیں نہ



عطار۔ بس دوکان حکمت چلا رہے ہیں روٹیاں مل رہی تھیں کہ گڑیا مل گئی اور اس نے تقدیر ہی بدل کر رکھ دی۔۔۔ بہرصورت جب ریاست پہنچیں اور حکیم صاحب کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھے تو مسکرا پڑیں۔

"دیکھا میں نہ کہتی تھی کہ جب قدرت انسان کو سرخرو کرنے پر آتی ہے تو سبھی وسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے آپ تو بلا وجہ ہی یہاں آتے ہوئے خوف کھا رہے تھے۔"

"ارے بیگم سچ کہوں گا اور جھوٹ بولنا کفر۔۔۔ اور حقیقت سے چشم پوشی بہت بڑا گناہ۔ ہرچند کہ ایک جھوٹ اب تک نباہتے چلے آ رہے ہیں لیکن اس سے انحراف نہ کریں گے کہ گڑیا کی وجہ سے ہمیں بڑی عزت ملی۔"

بیگم صاحبہ نے اس بات پر تو توجہ نہیں دی تھی جس کا حکیم صاحب نے جوش عالم میں اعتراف کر لیا تھا۔ البتہ گڑیا کے سلسلے میں وہ بہت پرجوش تھیں۔ کہ وہ بھی حکیم صاحب کی تائید کرنے لگیں۔

بہرصورت جشن صحت ہوا اور ریاست میں چراغاں کیا گیا۔

"حکیم صاحب کو خلعت فاخرہ دی گئی اور ایک چھوٹی سی جاگیر ان کے سپرد کر دی گئی' جس کے لئے ہرکارے بھی مقرر کر دیئے گئے کہ حکیم صاحب بھلا جاگیر کے کاموں میں کہاں دلچسپی لے سکتے تھے۔ انہیں تو اپنی حکمت سے ہی فرصت نہ ہو گی۔ اس کے ساتھ ساتھ حکیم صاحب کو حویلی کے متصل ایک خوبصورت مکان بھی عنایت کر دیا گیا۔۔۔ اور اب ان کی رہائش اور مطب دونوں کا انتظام تھا۔

مطب کے لئے جو جگہ منتخب کی گئی تھی وہ بڑی صاف و شفاف اور آراستہ و پیراستہ تھی۔ نواب صاحب کی ہدایت کے مطابق اسے تمام ضروری چیزوں سے سجا دیا گیا تھا اور حکیم صاحب تو گویا اب خاندانی حکیم بن گئے تھے۔ حکماء جو باہر سے آئے تھے شرمندگی کے عالم میں صرف اس لئے رکے ہوئے تھے کہ نواب صاحب کے جشن صحت میں شریک ہو جائیں۔

ہرچند کہ ان کی دواؤں نے نواب صاحب کو کوئی فیض نہیں پہنچایا تھا۔ لیکن

نواب صاحب محبت تو سب ہی سے رکھتے تھے۔ اس لئے وہ ابھی تک قیام پذیر تھے۔۔۔ حکیم شبن میاں کے منہ پر تو ان کی لاکھ لاکھ تعریفیں ہوتی تھیں انہیں حکیم الملک کہا جاتا تھا اور ان میں سے ہر ایک پیش کش کر چکا کہ قبلہ حکیم صاحب اسے اپنی شاگردی میں قبول فرمائیں۔ لیکن دل ہی دل میں وہ سارے حکیم شبن میاں سے سخت کد رکھتے تھے وہ سوچ رہے تھے کہ یہ ٹٹ پونجیا عطار بلا وجہ ہی نواب صاحب کی آنکھ کا تارا بن بیٹھا ہے۔ نجانے کس طرح اسے پتہ چل گیا کہ نواب صاحب کے معدے میں کوئی زہریلا کیڑا اتر گیا ہے۔ بس تقدیر کا دھنی ہے کہ کچھ سے کچھ بن گیا۔۔۔ ان کے ذہنوں میں سخت تشویش تھی کہ یہ حکیم کہاں سے آیا اور کیسے بنا۔ چنانچہ آپس میں بیٹھ کر انہوں نے طے کیا کہ کم از کم حکیم صاحب کے بارے میں کھوج تو لگائی جائے کہ یہ کس کا شاگرد ہے اور کس طرح انہوں نے یہ مسیحائی حاصل کی۔

چنانچہ جشن کے اختتام پر جب وہ رخصت ہوئے تو انہوں نے اپنے اپنے شہروں میں جانے کا فیصلہ نہیں کیا بلکہ سب سے پہلے اس بستی کی طرف رخ کیا جہاں حکیم صاحب کا مطب ہوا کرتا تھا۔ بستی میں پہنچ کر وہ ایک خاص جگہ قیام پذیر ہوئے۔۔۔ یہ ایک سرائے تھی یہاں رہ کر انہوں نے لوگوں سے حکیم شبن کا پتہ پوچھا۔

حکیم شبن بہرحال اس بستی میں اجنبی نہیں تھے۔ بستی کے لوگوں کے لئے وہ بہت ہی قابل قدر ہستی تھے ان کے اس بستی سے چلے جانے پر لوگوں نے افسوس کا اظہار کیا تھا۔۔۔ بہرصورت حکیم شبن کا پتہ انہیں مل گیا۔۔۔ اور بستی کے لوگوں سے حکیم شبن کے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں۔ جو کچھ پتہ چلا وہ بھی نامکمل تھا۔۔۔ یعنی یہ پتہ چل گیا کہ حکیم صاحب کا شجرہ نسب کسی کو نہیں معلوم کہیں باہر سے آئے تھے اور دوسرے حکیم صاحب کے ہاں قیام پذیر ہوئے تھے۔ یہیں سے ان کی تقدیر بنی۔۔۔ اور ان حکیم صاحب کی موت کے بعد وہ حکیم بن بیٹھے۔

لیکن کھوجیوں کے لئے یہ بات تسلی بخش نہیں تھی۔ کھوجیوں نے کچھ ا



کھوج کی اور صاحب ڈھونڈنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔۔۔ چنانچہ حکیم صاحب کے متعلق بھی دور کی کوڑی لائی گئی اور شبن میاں کے والد صاحب تک رسائی ہو گئی جو اب تک دودھ والے تھے۔ یقین نہ آیا کہ حکیم شبن میاں اس دودھ والے کی اولاد ہیں۔۔۔ لیکن شبن میاں کے والد محترم ان لوگوں کے پیچھے پڑ گئے۔ بیٹا ناکارہ تھا تو کیا ہوا' بیٹا تو تھا۔ جب تک ساتھ رہا تو سوچتے رہے کہ نکھٹو ہے' جان چھوٹے تو اچھا ہو۔۔۔ لیکن جب نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو جان پر بن گئی۔ احساس ہوا کہ جوان بیٹا کتنا بڑا سہارا ہوتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو سکا تلاش کیا۔۔۔ اور جب اس کوشش میں ناکام ہو گئے تو رو دھو کر بیٹھ گئے۔ تلاش کہاں کرتے۔ گوالے کا بیٹا تو سید زادہ بنا بیٹھا تھا۔ بھلا کس کی مجال تھی کہ شبن میاں کو گوالا سمجھے۔ چنانچہ کوئی سوچ بھی نہ سکا کہ شبن میاں گوالے ہو سکتے ہیں۔ اور اب جو چند لوگ انہیں پوچھتے ہوئے آئے تو شبن میاں کے والد ان کے قدموں پر گر پڑے۔

"خدا کے واسطے اگر تمہیں میرے بیٹے کے بارے میں علم ہے تو بتا دو۔ کیا واسے' مر کھپ گیا کہیں' یا کسی نے غلام بنا کر رکھ لیا۔"

"نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ کا بیٹا زندہ ہے اور خوش ہے۔" آنے والوں نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟ کیا تم میرے بیٹے کے بارے میں جانتے ہو' کہاں ہے وہ' کیسا ہے۔" شبن میاں کے والد نے بے چینی سے پوچھا۔

"نہ صرف ہم آپ کے بیٹے کے بارے میں جانتے ہیں بلکہ آپ کو وہاں تک پہنچانے میں آپ کی مدد بھی کر سکتے ہیں۔ روپے پیسے کی فکر نہ کریں اگر بیٹے کے پاس پہنچ گئے تو وارے کے نیارے ہو جائیں گے۔"

"اللہ کے واسطے یہ تو بتا دو کہ وہ ہے کس حال میں؟"

"اس حال میں کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔۔۔ نواب پور کے معظم علی کے طبیب خاص ہیں وہ اور حویلی ہی سے متصل ایک خوبصورت مکان میں رہتے ہیں۔ دولت کی ریل پیل ہے اور بیوی بچوں کے ساتھ عیش کر رہے ہیں۔"

"یہ تم میرے شبن میاں کے بارے میں کہہ رہے ہو؟"

"جی ہاں آپ کے شبن میاں اس وقت حکیم شبن میاں ہیں۔"

"حکیم۔" شبن میاں کے والد نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں نہ صرف حکیم بلکہ حکیم الملک۔۔۔" آنے والوں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"نہ بھائی نہ۔۔۔ گوالے کا بیٹا' گوالا تو ہو سکتا ہے۔ حکیم کہاں سے ہو سکتا ہے۔ میاں حکمت کو مذاق سمجھ رکھا ہے۔ سڑک پر پڑی ہوئی کوئی چیز ہے کہ اٹھا کر جیب میں رکھ لی جائے۔ بہت کچھ سیکھنا پڑتا ہے حکمت کے لئے۔ وہ میرا بیٹا ضرور ہے۔ میں اسے دیکھنے کو ترس رہا ہوں۔ لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ وہ زندگی میں کبھی کچھ کام نہیں کر سکتا۔ ایسا نکھٹو ہے ایسا ناکارہ ہے کہ ساری زندگی کچھ نہیں کر سکا اب کیا کرے گا اور ایسا آدمی حکمت کا کام کرے نہ بھائی نہ وہ میرا بیٹا نہیں ہو گا۔ ضرور تم لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"شبن میاں کے والد بھلا کس طرح یہ تسلیم کر لیتے کہ ان کا بیٹا حکیم ہے لیکن حکماء نے انہیں یقین دلاتے ہوئے کہا۔

"دیکھئے قبلہ راز ایزدی تو آپ سے چھپا ہوا ہے خدا تعالیٰ کس کس کو نجانے کیا کیا بخش دیتا ہے اس لئے آپ اس کے معاملات میں مداخلت کر کے اچھا نہیں کر رہے۔ جو کچھ ہم نے بتایا ہے اس پر یقین کر لیں اور مزید یقین کرنا چاہتے ہیں تو نواب پور جا کر دیکھ لیں۔ شبن میاں اگر آپ کے بیٹے ہوں تو ٹھیک ہے ورنہ سفر خرچ ہمارے ذمے۔"

"بھائی یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ یقین ہی نہیں آتا۔" شبن میاں کے والد گردن ہلاتے ہوئے بولے اور حکماء کے منہ بگڑ گئے۔

"اچھا تو پھر ہمیں اجازت دیں۔ خدا حافظ۔" حکماء نے کہا اور شبن میاں کے والد انہیں روکنے لگے۔

"ارے نہیں نہیں تم لوگ ایسے نہیں جاؤ۔ ارے مجھ غریب سے کیوں



ن ہو رہے ہو۔ مجھے بتاؤ تو سہی میں کیا کروں؟"

"بس کچھ نہ کریں قبلہ آپ' بستر بوریا باندھیں اور ہمارے ساتھ چل
۔ جب آپ کو یقین دلایا جا رہا ہے تو ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہماری بات کا
کر لیں۔"

"اچھا بھائی اگر آپ لوگ کہتے ہیں تو ٹھیک ہے خدا کرے مجھے میرا بیٹا مل
ے' وہ دوسرا جو کوئی بھی ہو مجھے اعتراض نہیں ہے میں آپ لوگوں کے ساتھ چلنے
یار ہوں۔"

"بس تو پھر آپ بیگم صاحبہ کو بھی ساتھ لے لیں۔ ہم آپ کو نواب پور
چلیں گے۔"

تمام لوگ شبن میاں کے والد کے گھر سے واپس آ گئے' یہ ان لوگوں کی
تھی' آپس میں صلاح و مشورے کے بعد ہی کسی ایک نے گر کی یہ بات بتائی تھی
ایسا کام کیوں نہ کیا جائے کہ حکیم شبن میاں کی اصلیت بھی سامنے آ جائے اور ہم
نہ پکڑے جائیں کیا خیال ہے۔

"بہت نیک خیال ہے۔" دوسرے نے کہا۔ "اس حکیم الملک کی اوقات
کو پتہ لگنی چاہیے۔ گوالے کا بچہ حکیم بنا بیٹھا ہے۔۔۔ نواب صاحب کے منہ کیا
گیا دماغ ہی نہیں ملتے۔ شاگرد بنانے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ حکمت تو ایسی چیز
کہ اسے جتنا پھیلاؤ اس سے نسل انسانی کو اتنا ہی فائدہ ہوتا ہے۔۔۔ اگر یہی بتا
کہ اس کی تشخیص کیا تھی' کیسے تھی تو کیا ہرج تھا۔۔۔ ممکن تھا ہمارے ذریعے
سروں کو بھی فائدہ پہنچ جاتا۔"

کسی اور نے ٹکڑا لگایا۔ "بے شک' بے شک' میاں وہی بات ہے چھوٹا
ی۔۔ چھوٹا دل۔"

"درست کہا آپ نے حکیم عظیم الدولہ۔ اگر چھوٹا نہ ہوتا تو فراخدلی سے
سب کو علاج معالجے میں شامل کر لیتا اور ان انعامات میں سے حصہ دیتا جو اسے
ے ہیں۔"

"یقیناً ایسا کرتا۔ اگر کسی بڑے گھر سے تعلق رکھتا۔ بھلا گوالے کی اولا
ہے' اپنی ذات سے ہٹ کر کیسے رہ سکتا تھا۔"

حکماء اپنے دل کی بھڑاس نکالتے رہے اور بالآخر مجلس مشاورت میں یہ
طے کیا گیا کہ حکیم الملک کو ذلیل کرنے کے لئے ان کے والد صاحب کو اس کے پاس
لے جایا جائے۔ اور پھر یہ تمام لوگ فیروز خان اور ان کی اہلیہ کو نواب پور لے
جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔

❀❀❀



مطب زور و شور سے جاری تھا۔ حکیم صاحب دن میں صرف سات افراد
دیکھتے تھے اس کا تعین کر لیا تھا کہ صرف سات افراد سے زیادہ کا وہ علاج نہیں کر سکتے
لوگوں نے اعتراض کیا تو نواب صاحب نے اس سلسلے میں مداخلت کی "ٹھیک تو کہتے
ہیں شبن میاں حکمت کوئی معمولی چیز نہیں ہے ذہن و دل کھلانا پڑتا ہے خون جگر ہونا
پڑتا ہے تب کہیں جا کر تشخیص مکمل ہوتی ہے۔ حکیم صاحب اگر مریضوں کی بھیڑ
لگائیں گے تو صحیح دوا نہ دے سکیں گے۔ چنانچہ جیسا یہ کہہ رہے ہیں۔ اس سے
اختلاف نہیں کرنا چاہیے۔ اور پھر یوں بھی حکیم صاحب شاہی طبیب ہیں کوئی ایرے
غیرے نہیں یہ ان پر فرض نہیں ہے کہ ہر شخص کا علاج کریں۔ جس کو اپنا علاج کرانا
ہے کرائے ورنہ اپنے گھر جا بیٹھے اور ویدوں اور عطائیوں سے اپنا علاج کرائے دوا
لے اور جہنم رسید ہو جائے۔ نواب صاحب کی شہ پا کر حکیم صاحب اور شیر ہو گئے۔
حقیقت یہی تھی کہ اب ان کے پاس کوئی کمی نہ تھی۔ جاگیروں کی آمدنی آنا شروع ہو
گئی تھی اور بیگم صاحبہ سے سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ گڑیا کو سونے میں لاد دیا
گیا تھا وہ سب کی آنکھوں کا تارا تھی لیکن یہ تارا اب آسمان پر بھی چمکنے لگا تھا۔ اس

کا حسن و جمال دیکھ کر خود نواب صاحب کو حیرت ہوئی تھی۔ نواب صاحب دا
دل میں سوچتے تھے کہ حکیم زادی تو بڑی پروقار بچی ہے۔ لگتا ہی نہیں کہ ان د
کی بچی ہے نہ باپ کی شخصیت میں بانکپن تھا نہ ماں کی شخصیت میں وہ تمکنت
اسے ملی تھی۔ لیکن یہ سوچ اس کے دل ہی میں تھی۔ ایک دو بار بچی کو دیکھا تھ
دیکھ کر بڑے مسرور ہوئے تھے۔ حکیم صاحب کو مبارکباد بھی دی تھی اور کہا تھا۔

"حکیم صاحب آپ کی یہ بچی تو کسی نواب صاحب کی بچی معلوم
ہے۔" شبن میاں مسکرا کر خاموش ہو گئے تھے لیکن دل ہی دل میں وہ اس بات
ڈرنے لگے تھے کہ لیجئے۔ اب اس کے بارے میں بھی چھان بین شروع ہو گئی۔
تک اپنی ذات کا تعلق تھا۔ تو وہ خود بھی اس سلسلے میں الجھے ہوئے تھے کہ آخر
ہے کون؟ لیکن گڑیا کے ذریعے انہیں جو کچھ ملا تھا اسے دیکھتے ہوئے انہوں ۔
چھان بین بند کر دی تھی اور پھر بظاہر ایسی الجھن بھی سامنے نہیں آئی تھی ک
پریشان ہوتے لیکن نواب صاحب کے انداز نے حکیم صاحب کو خدشات سے د
کر دیا۔ سوچتے رہتے اور پھر دل میں ہی فیصلہ کیا کہ نواب صاحب کی دی
مراعات سے فائدہ اٹھایا جائے۔

چنانچہ ایک شام جب نواب صاحب نے انہیں بطور خاص چائے پر مد
کچھ طبی مشورے بھی کرنے تھے۔ حکیم شبن میاں ان کے سامنے کھل گئے۔ نو
صاحب نے خود ہی بچی کے بارے میں سوال کر دیا تھا۔

"بس کیا عرض کروں نواب صاحب' بچی واقعی میری نہیں ہے۔ لاکھ
مرادیں مانیں چلہ کشی کی۔ جانے کیا کیا پاپڑ بیلے مگر بیگم صاحبہ بانجھ ہی رہیں او
اولاد سے محروم ہی رہے۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ خداوند کریم نے
غیب سے یہ بچی دی۔ بڑی پیاری بچی ہے۔ نجانے کس کی ہے۔ ننھی سی ملی تھ
جب سے ہمارے پاس ہے۔ حکیم صاحب نے یہاں ڈنڈی ماری تھی۔ انہوں ۔
نہیں بتایا تھا کہ بچی کو ملے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ وہ اتنی بڑی تھی اس
یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ حکیم صاحب نے زبردستی بچی کو اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے خواہ



نواب صاحب کو تشویش ہوتی اور نواب صاحب شریف الطبع انسان تھے انہوں نے
اس پر کسی خاص کیفیت کا اظہار نہ کیا۔

"میاں بہرصورت یہ خدا کی دین ہے کئی بار یہ خیال میرے ذہن میں آیا کہ
بچی آپ کی نہیں معلوم ہوتی۔"

"ہاں' ہاں نواب صاحب یہ خیال ایک فطری عمل ہے کیونکہ ہم خود کو
چھپانا جائز نہیں سمجھتے۔"

"کیا مطلب؟" نواب صاحب متحیرانہ انداز میں بولے۔

"مقصد یہی ہے کہ بچی بلا شبہ ہم سے کسی بلند خاندان کی ہے ہمارا تو سلسلہ
ذرا کچھ مختلف ہے۔"

"نہیں حکیم صاحب! آپ بھی مجھے خاندانی ہی معلوم ہوتے ہیں۔"

"ہاں صاحب! خاندانی تو سبھی ہوتے ہیں خواہ نیچی ذات کے یا اونچی ذات
کے' ہاں بے شک ہمارا بھی ایک خاندان تھا لیکن آپ کو یہ سن کر تعجب ہو کہ وہ
گوالوں کا خاندان تھا۔۔۔"

"کیا مطلب!" نواب صاحب چونک پڑے۔

"جی ہاں ہم ذات کے گوالے ہیں۔"

"ارے حکیم صاحب اب انکساری کی یہ انتہا نہ کریں۔" نواب صاحب
ہنس پڑے۔

"حضور نواب صاحب خود کو چھپانا گالی کے مترادف ہے والد صاحب اور
دوسرا خاندان اب تک کھیتی باڑی اور دودھ کا کام ہی کرتے تھے۔ ہم سے وہ نہ ہوا
اور نقل مکانی کر لی' عرصہ گزر گیا اب تو والدین کو چھوڑے ہوئے۔ بہرصورت
دوسری بستی آئے وہاں حکیم صاحب قبلہ کی زیارت ہو گئی۔ شریف النفس انسان
تھے ورثے میں ہمیں وہ سب کچھ دے گئے جو ان کے پاس موجود تھا جس میں ان کی
صاحبزادی بھی شامل تھیں۔ صاحبزادی نجیب الطرفین ہیں لیکن ہم اپنے آپ کو نہیں
چھپاتے۔" نواب صاحب گہری سانس لے کر بولے۔

"یہ بھی آپ کی عظمت ہے' سارے کاروبار انسانی ضروریات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص رزق حلال کماتا ہے وہ قابل احترا ہے۔ چنانچہ یہ کوئی ایسی بات تو نہیں' خاندان تو تخلیق کر لئے گئے ہیں۔ باقی ہمار۔ مذہب نے کسی بھی کام کو ہمیں خراب کہنے کی اجازت نہ دی' بہرصورت آج میں آپ کی عظمت کا اور قائل ہو گیا۔ لوگ خود کو چھپانے کے لئے نجانے کیا کیا جتن کرتے ہیں لیکن آپ نے اپنی اصلیت کا اظہار کر کے اپنی عظمت کا اظہار کیا ہے۔"

بات بن گئی تھی حکیم صاحب بے حد مطمئن تھے۔ وہ چیز جو انہیں خوفزد کئے رکھتی تھی اب ان کے ذہن کے اندر سے نکل گئی تھی۔ نواب صاحب کی محبت میں کچھ اور اضافہ ہو گیا وہ درحقیقت شبن میاں کی شرافت کے قائل ہو گئے تھے۔ پھر ایک دن وہ وقت آ گیا جس کے لئے اگر شبن میاں پہلے سے تیاریاں نہ کر لیتے اس وقت انہیں سخت شرمندگی اٹھانی پڑتی' شبن میاں کے والد بزرگوار معہ اپنی اہلیہ کے نواب پور پہنچ گئے تھے۔ تمام حکیم حضرات انہیں علی احمد کے سامنے چھوڑ کر روپوش ہو گئے تھے۔ انہوں نے شبن میاں کے والد صاحب سے درخواست کی تھی کہ یہاں لانے کے سلسلے میں ان کا حوالہ کہیں نہ دیا جائے اور شبن میاں کے والدین نے ان سے وعدہ کر لیا تھا کہ دیوان علی احمد نے شبن میاں کے والد اور والدہ کو دیکھ تو سوالیہ نگاہوں سے ان کی جانب دیکھنے لگے۔

"کیا بات ہے! کہاں سے تشریف لائے ہیں آپ لوگ' لگتا ہے کہیں باہر سے آ رہے ہیں؟"

"سس ...... سرکار ...... مائی باپ ...... ایک پریشانی ہمیں آپ کے قدموں میں لے آئی ہے۔ ہماری مشکل حل کر دیں۔"

"ہاں ..... ہاں فرمائیے کیا بات ہے؟"

"سرکار ہمارا لونڈا بھاگ کر یہاں آ گیا ہے ہم اس کی تلاش میں آئے ہیں۔"

"اچھا اچھا کہاں سے بھاگ کر آیا ہے؟" دیوان جی نے پوچھا۔ اور شبن



ں کے والد نے اپنے گاؤں کا پتہ بتا دیا۔

"ٹھیک ہے کب بھاگا تھا آپ کا لڑکا؟"

"حضور کئی سال ہو گئے۔ مگر سسرے کا کوئی پتہ ہی نہیں چل سکا تھا۔ اب ں مشکل سے پتہ لگا ہے تو ہم آپ کے پاس آ گئے ہیں۔"

"کیا وہ نواب پور میں ہے؟" دیوان جی نے پوچھا۔

"ہاں سرکار یہی سنا ہے۔"

"سنا ہے یا دیکھا بھی ہے؟"

"سرکار صرف سنا ہے آج ہی تو ہم یہاں آئے ہیں۔"

"اچھا آپ لوگ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں۔"

"حضور ابھی کہیں نہیں ٹھہرے۔"

"ٹھیک ہے میں نواب صاحب کی طرف سے آپ کے لئے قیام کا بندوبست ؛ دیتا ہوں۔ مجھے اپنے بیٹے کے بارے میں بتائیے تاکہ اسے یہاں تلاش کر کے پ کے حوالے کر دیا جائے۔ کیا عمر ہے اس کی؟"

"اب تو سرکار جوانی سے بھی گزر گیا ہو گا۔ کوئی تھوڑا وقت نہیں ہوا ،۔ اسے گھر سے بھاگے ہوئے۔"

"ہوں! کیا نام ہے اس کا؟"

"شبن ..... شبن گوالا۔"

"اچھا اچھا میں اپنے آدمیوں کو اس کی تلاش میں پر معمور کر دیتا ہوں کچھ ر معلومات ہوں آپ کو اس کے بارے میں تو ہمیں بتا دیجئے۔"

"جی سرکار! پتہ یہ چلا ہے کہ وہ یہاں حکیم بن بیٹھا ہے۔ حکیم شبن میاں لاتا ہے بلکہ یہ بھی سنا ہے کہ حکیم الملک کہلانے لگا ہے۔ شبن میاں کے والد نے ! اور علی احمد کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔ پھر ان کے چہرے پر غصے کے آثار نظر نے لگے اور انہوں نے خونخوار نگاہوں سے شبن میاں کے والد کو دیکھا اور بولے۔

"کیا بکواس کر رہے ہیں آپ؟"

"جی۔۔۔ جی سرکار۔" شبن میاں کے والد خوف سے اچھل پڑے۔

"حکیم الملک کی شان میں گستاخی کر رہے ہو۔"

"کیا سسرا۔ وہ واقعی یہاں موجود ہے؟"

"میں کہتا ہوں اپنی زبان کو لگام دیجئے۔ آپ کو معلوم نہیں، حکیم شبن میاں شاہی طبیب ہیں اور یہاں انتہائی قابل احترام تصور کئے جاتے ہیں۔ کسی کے سامنے اگر آپ نے ان کے بارے میں ایسی بات کہی تو وہ آپ کی شکایت نواب صاحب تک پہنچا دے گا اور پھر آپ کو سزا ملے گی۔"

"سرکار! اگر یہاں واقعی کوئی حکیم الملک موجود ہے تو میرا مطلب ہے حکیم شبن میاں تو وہ میرا بیٹا ہے۔"

"آپ نے بتایا ہے کہ وہ گوالے ہیں؟"

"جی سرکار! وہ بھی سسرا گوالا ہے۔"

"میں نہیں مانتا۔ اگر آپ حکیم شبن میاں کے بارے میں کہہ رہے ہیں ضرور آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے یقیناً آپ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اچھا ٹھہریئے میں کچھ اور بندوبست کرتا ہوں۔ آپ اپنی بیگم صاحبہ کو یہیں قیام کی اجازت دیجئے اور آپ میرے ساتھ حکیم صاحب کے مطب چلئے۔ آپ انہیں دور سے دیکھ کر پہچاننے کی کوشش کیجئے گا اور پھر مجھے بتایئے گا کہ یہی آپ کے صاحبزادے ہیں۔"

"ہاں سرکار یہ ٹھیک ہے۔" شبن میاں کے والد تیار ہو گئے۔ علی احمد صاحب کو اب بھی یقین نہ تھا کہ یہ بڑے میاں سچ کہہ رہے ہیں وہ جانتے تھے کہ شبن میاں کے بہت سے مخالف پیدا ہو گئے ہیں اور نواب صاحب کے التفات کی وجہ سے ان سے جلنے لگے ہیں اور طرح طرح کی حرکتیں کرتے ہیں لیکن حکیم شبن میاں اسی ہی قابل تھے کہ انہیں اتنی عزت دی جائے۔ نواب صاحب کے مرض کی انہوں نے جو تشخیص کی تھی وہ حیرت انگیز تھی اور اس تشخیص نے حکیم شبن میاں کی وقعت علی احمد کے دل میں بھی بڑھا دی تھی۔ چنانچہ وہ یہ الزام برداشت نہ کر سکے کہ شبن میاں ذات کے گوالے ہیں۔ شبن میاں کے والد کو لے کر وہ مطب پہنچ گئے۔ پھر



خیال کے تحت انہوں نے شبن میاں کے والد سے کہا۔

"حضرت ایک شرط پر میں آپ کو حکیم صاحب کے پاس پہنچا سکتا ہوں۔"

"کیا؟" شبن میاں کے والد نے پوچھا۔

"وہ یہ کہ آپ خاموشی سے وہاں جائیں اور یہ نہ بتائیں کہ میں آپ کے ساتھ آیا ہوں۔۔۔!

ٹھیک ہے! نہیں بتائیں گے بھائی شبن میاں کے والد نے کہا۔ علی احمد نے انہیں مطب دکھاتے ہوئے کہا۔

"وہ سامنے مطب موجود ہے اور حکیم صاحب بھی وہاں موجود ہوں گے۔"

علی احمد خود ایک ایسی جگہ پوشیدہ ہو گئے جہاں سے وہ ان پر نگاہ رکھ سکتے تھے۔ شبن میاں مطب میں بیٹھے حقہ گڑگڑا رہے تھے۔ خمیرے کی خوشبو چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ مطب میں اس وقت کوئی مریض نہیں تھا۔ یعنی مریضوں کی وہ تعداد پوری ہو گئی تھی جنہیں حکیم صاحب دیکھا کرتے تھے اور جن کے سلسلے میں گڑیا ان کی مدد کیا کرتی تھی۔ شبن میاں کے والد صاحب نے جو بیٹے کے یہ ٹھاٹھ باٹھ دیکھے تو آنکھیں پھاڑ کر رہ گئے۔ ایک لمحے کے لئے دل میں شفقت پدری ابھر آئی اور خوشی سے باغ باغ ہو گئے۔ ہانپتے کانپتے آگے بڑھے۔ شبن میاں خمیرے کی خوشبو میں مست تھے۔ قدموں کی چاپ سن کر انہوں نے اپنے ملازم کو آواز دی۔

"فضل دین او فضل دین۔" لیکن جب جواب نہ ملا تو وہ یہی سمجھے کہ پھر شاید کوئی مریض آ گیا ہے۔ چنانچہ کرخت لہجے میں بولے۔

"میاں تعداد پوری ہو چکی ہے۔ جتنے لوگوں کو وقت دیا تھا وہ آ کر جا چکے ہیں۔ آپ پھر کسی وقت آیئے۔"

"میں..... میں پھر کس وقت آؤں۔" شبن میاں کے والد صاحب غصیلے لہجے میں بولے اور شبن میاں یہ آواز سن کر بری طرح اچھل پڑے۔ چونک کر دیکھا تو ابا حضور قبلہ کھڑے ہوئے تھے۔ غصے کے تیز تو ہمیشہ کے تھے حکیم شبن میاں کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ خوف سے اپنی کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے، حقہ ایک

طرف لڑھک گیا اور حکیم شبن میاں ادھر ادھر دیکھنے لگے کہ کہاں سے بھاگیں' والد صاحب بیٹے سے گلے ملنے کے لئے دونوں ہاتھ پھیلا رہے تھے اور شبن میاں یہ سمجھے کہ اب آئی شامت۔ اتنے دن کے بعد پکڑا گیا ہوں کھال ادھڑے بنا نہ رہ سکے گی۔ چنانچہ ادھر ادھر بھاگ دوڑ کرنے لگے۔

"معاف کر دو ابا..... معاف کر دو۔ اللہ کے واسطے معاف کر دو۔ اب نہیں کروں گا۔" وہ یہ کہتے ہوئے ادھر سے ادھر دوڑ رہے تھے۔ پیچھے سے فضل دین آ گیا۔ دوسرے دو ملازم بھی جو عطار تھے پہنچ گئے اور یہ تماشا دیکھنے لگے۔ شبن میاں کے والد کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے۔ انہوں نے ایک موٹی سی گالی دے کر شبن میاں کو اپنے قریب بلا لیا اور سینے سے لگا لیا۔ علی احمد یہ منظر دیکھ کر ساکت رہ گئے تھے اس کا مقصد تھا کہ شبن میاں کے والد صاحب نے جو کچھ کہا تھا درست تھا۔ یہ حکیم صاحب ایک نیچ ذات کے گوالے ہیں اور اپنی چالاکی سے نواب صاحب کے ناک کے بال بن کر بیٹھ گئے ہیں۔ حالانکہ علی احمد سوچتے تو اس میں چالاکی کی کوئی بات نہیں تھی۔ حکیم صاحب نے نواب صاحب کا علاج کیا تھا اور یہ مراعات حاصل کی تھیں۔ ذات کے کچھ بھی ہوتے اس سے کسی کو کیا غرض لیکن علی احمد بھی جذباتی ہو گئے تھے۔ چنانچہ وہاں سے واپس لوٹ پڑے۔ ان کے ذہن میں شاید کوئی سخت احساس جنم لے چکا تھا اور اب ان کا رخ نواب صاحب کی حویلی کی جانب ہی تھا جو تھوڑے فاصلے پر ہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ حویلی میں داخل ہو رہے تھے۔

نواب معظم علی تک رسائی مشکل نہ ہوئی اور نواب صاحب نے انہیں اپنے کمرے میں بلا لیا۔

"کیا بات ہے دیوان صاحب!" انہوں نے دیوان جی کے سنجیدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک نہایت افسوسناک اطلاع ہے جناب میں نے سوچا آپ تک پہنچا دی جائے۔"

"خیریت کیا بات ہے؟"



"آج تک لوگ حکیم شبن میاں کے بارے میں بے شمار باتیں بتاتے رہے لیکن میں جانتا تھا کہ یہ صرف ان کا ذہنی بخار ہے۔ حکیم شبن میاں کی پذیرائی دیکھ کر ان کے دلوں پر غبار چھا گیا ہے اور دلوں کا غبار اسی طرح نکالا جا سکتا ہے۔ لیکن مجھے ایک انوکھی بات معلوم ہوئی ہے' جس نے مجھے مجبور کر دیا کہ کم از کم حکیم صاحب کے بارے میں اتنی تفصیل آپ کو بتا ہی دوں۔"

"کیا بات معلوم ہوئی ہے؟" نواب صاحب نے کسی قدر مطمئن انداز میں پوچھا۔

"حضور نواب صاحب! یہ حکیم شبن خاندانی حکیم نہیں ہیں بلکہ ایک چھوٹی سی بستی کے ایک گوالے کے بیٹے ہیں جو طویل عرصے قبل گھر سے بھاگ گئے تھے پھر انہوں نے ایک حکیم صاحب کے گھر پناہ لی۔ وہاں رہ کر انہوں نے حکیم صاحب کی خدمت کی اور ان کے داماد بن گئے۔ بس وہیں سے حکیم شبن میاں حکیم بنے اور اپنی ذات چھپا کر کہیں بڑی حیثیت اختیار کر گئے۔ حضور نواب صاحب ذات پات کے مسائل ایسے ہوتے ہیں جو آگے چل کر بڑے تکلیف دہ ہو جاتے ہیں۔ کیا ہم ایک کم ذات پر بھروسہ کر سکتے ہیں۔" نواب صاحب پہلے تو ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ یہ باتیں سن رہے تھے لیکن علی احمد کی اس بات پر وہ سنجیدہ ہو گئے اور انہوں نے غور سے علی احمد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"علی احمد آپ غلط فہمی میں ہیں۔ آپ ذات پات کا تعین کس بنیاد پر کرتے ہیں۔ ہمارے مذہب میں تو کوئی ذات تخصیص نہیں کی ہر پیشہ بشرطیکہ وہ باعزت ہو۔ اچھی چیز ہوتا ہے۔ گوالا دودھ دیتا ہے۔ آپ غور کریں اگر وہ اپنا عمل نہ کرے تو آپ کتنی مشکلات سے دوچار ہو جائیں گے۔ اس طرح یہ صنف ذات تو نہیں بن جاتی۔ یہ تو ان پیٹ بھرے لوگوں کا کام ہے جو بیٹھ کر ذاتی تخلیق کرتے ہیں اور رچ مانیں تو یہ ذات پات کا چکر تو ہم نے ہندوؤں سے متاثر ہو کر رائج کیا ہے۔ چنانچہ اول تو آپ یہ خیال ذہن سے نکال دیں کہ حکیم صاحب کی اصل ذات کیا ہے۔ وہ مسلمان ہیں۔ مسلمان کے گھر پیدا ہوئے۔ بس یہی کافی ہے۔ اس کے علاوہ شاید یہ

بات سن کر آپ کو خوشی ہو گی کہ حکیم صاحب مجھے یہ بات پہلے ہی بتا چکے ہیں اور اپنی حقیقت سے کسی کو آگاہ کر دینا ایک اچھے انسان کی نشانی ہے چنانچہ آپ ان باتوں پر کان نہ دھریں بلکہ مجھے تو یہ سن کر خوشی ہوئی ہے کہ حکیم صاحب کے والدین بھی یہاں پہنچ چکے ہیں۔ انہیں عزت و احترام کے ساتھ حکیم صاحب کے ساتھ رہنے کی اجازت دی جائے اور ان سے پوچھا جائے کہ ہم ان کی کیا خدمت کر سکتے ہیں۔"

علی احمد صاحب کی گردن شرم سے جھک گئی تھی۔ انہیں احساس ہو رہا تھا کہ یہ مسئلہ اتنا تو اہم نہیں جتنا انہوں نے بنا لیا۔ حکیم صاحب کا اپنا ایک مقام تھا۔ خواہ ان کے والدین کچھ بھی ہوں۔ وہاں سے مطمئن ہو کر وہ مسکراتے ہوئے واپس چل پڑے۔ حکیم صاحب کے دشمن اس بات کی توقع کر رہے تھے کہ اب شبن میاں کی شامت آئے گی اور نواب معظم علی انہیں جھوٹ بولنے کے الزام میں سزا دیں گے اور اگر نواب سزا دیں تو ظاہر ہے اس پر عمل درآمد ہو گا' بھلا کون روک سکتا ہے۔ لیکن پھر انہوں نے دیکھا کہ شبن میاں کے تو وہی وارے کے نیارے ہیں اور کوئی ایسی بات نہیں ہوئی جس سے پتہ چلے کہ شبن میاں کے اعزاز اور احترام میں کوئی فرق آیا ہے۔

کافی دن تک وہ انتظار کرتے رہے لیکن نواب صاحب کے ساتھ بھی شبن میاں کا وہی رویہ تھا اور ایسا ہی نواب صاحب کا ان کے ساتھ۔ چنانچہ بد دل اور مایوس ہو گئے اور وقت کو کوستے ہوئے وہاں سے چل پڑے۔

"بیکار ہے یہاں رکنا' یہ تو بس ایسے ہی کمینوں کا دور ہے' بھلا اشراف کی کیا عزت رہ گئی اس دور میں' دونے جولاہے' گھاس کھودنے اور دودھ بیچنے والے ہی اس دور میں عزت پا رہے ہیں' ہمارا کیا۔"

❀❀❀



یوں وقت گزرتا رہا' شبن میاں کے دوسرے بہن بھائی بھی یہاں پہنچ گئے اور چونکہ نواب ...احب خود ان کے پشت پناہ تھے پھر بھلا انہیں کیا مشکل ہوتی۔ ایک سے ایک اچھی زندگی گزارنے ...اور وقت آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔ لیکن شبن میاں کے باپ کو سخت حیرت تھی کہ آخر یہ لونڈا ...نا بڑا حکیم کیسے بن گیا۔ بات تو کچھ نہیں تھی۔ خود ان کے بھی عیش ہو گئے تھے۔ ساری زندگی ...نکلوں میں گزاری تھی اور اب اس ساری زندگی کا حاصل مل رہا تھا۔ عیش و عشرت گھر کی غلام تھی' ...ب مزے سے زندگی گزارتے' باقی نواب صاحب کا سلسلہ بھی بہت عمدگی سے چل رہا تھا۔

پھر ایک دن بیگم نواب کو کچھ خیال آیا اور انہوں نے معظم علی خان سے کہا۔

"نواب صاحب ایک بات عرض کرنا چاہتی ہوں۔"

"ارشاد فرمایئے' کیا بات ہے؟"

"اللہ نے آپ کو صحت عطا کی اور میرا سہاگ قائم رہا' یہ ساری باتیں ظاہر ہے میرے لئے ...ث خوشی ہیں' لیکن ایک غم جو دل کو کھائے جاتا ہے' پیچھا نہیں چھوڑتا۔"

"کیا بات ہے بیگم' اللہ کا عطا کیا ہوا سب کچھ تو ہمارے پاس موجود ہے۔"

"ہاں' لیکن ہمارے گھر کے آنگن میں کوئی پھول نہیں کھلا۔"

"بیگم صاحبہ نے کہا اور نواب صاحب خود بھی افسردہ ہو گئے' درحقیقت وہ بھی بے اولاد تھے اور ...لڈ نے ابھی تک اولاد نہیں عطا کی تھی' کہنے لگے۔

"ہاں، اللہ کے حکم میں کسی کو کیا دخل ہو سکتا ہے، یہیں سے تو اس کی قدرت کا احساس ہوتا ہے کہ ہر چیز عطا کر دے اور جو نہ دینا چاہے وہ انسان کے بس سے باہر ہو، ہم اس کی مرضی میں کیسے دخل انداز ہو سکتے ہیں؟"

"وہ تو بالکل ٹھیک ہے لیکن مرض کا علاج بھی کرایا جاتا ہے۔"

"مرض۔"

"جی ہاں، بزرگوں کا کہنا ہے کہ بے اولادی بھی کبھی کبھی کسی مرض کے نتیجے میں ہوتی ہے۔"

"آپ جو بھی کہنا چاہتی ہیں ذرا صاف صاف کہئے کہ ہماری سمجھ میں آ جائے۔"

"حکیم شبن میاں ذہن میں آتے ہیں۔" بیگم صاحبہ نے کہا اور نواب معظم علی سوچ میں ڈوب گئے تھوڑی دیر کے بعد بولے۔

"آپ کی بات سمجھ میں تو آ رہی ہے مگر مسئلہ کچھ ایسا ہے کہ تھوڑی سی شرم محسوس ہوتی ہے۔ بہرحال ہم ان کا احترام بھی کرتے ہیں اور پھر، لیکن خیر کوئی حل نکال لیا جائے گا۔"

پھر نواب صاحب نے علی احمد سے اس کا تذکرہ کیا۔

"علی احمد میاں ایک خیال دل میں ہے اگر آپ تائید کریں۔"

"کیا حضور؟" علی احمد نے کہا۔

"یہ تو آپ کو پتہ ہے کہ ہم لاولد ہیں اور نہ صرف ہمیں بلکہ بیگم صاحبہ کو بھی اولاد کی خواہش ہے، ویسے تو ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلوص دل سے قائل ہیں، لیکن وہ جو کہا جاتا ہے نا کہ انسان اپنی کوشش بھی جاری رکھنی چاہیے اگر اس سلسلے میں حکیم شبن میاں سے رجوع کیا جائے تو کیا رہے گا۔ کوئی اور بات ہوتی تو ہم خود بھی ان سے مدعائے دل ظاہر کر دیتے، لیکن معاملہ کچھ ایسا کہ شرم محسوس ہوتی ہے۔"

"حضور کا حکم سر آنکھوں پر، میں جو ہوں آپ مطمئن رہیں میں حکیم شبن میاں سے خود بات کرتا ہوں۔"

"یہی ہم بھی چاہتے تھے۔" معظم علی صاحب نے کہا اور پھر احمد علی نے جونہی موقع پایا تو شبن میاں سے ملے۔۔۔

"حکیم صاحب قبلہ، ایک عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی علی احمد صاحب، ارشاد فرمائیے۔" حکیم صاحب کہنے لگے۔

"ایک بہت ہی اہم مسئلہ ہے، رازداری شرط ہے۔"



"کہنے کی ضرورت نہیں، آپ بے تکان فرمائیے گا۔"

"وہ اصل میں اس بات کا تو آپ کو علم ہے کہ نواب معظم علی لاولد ہیں۔"

"ایں، جی ہاں۔ واقعی ایسا تو ہے۔"

"اور کہا جاتا ہے کہ حکمت میں ہر شے کا علاج موجود ہے۔"

شبن میاں پھر گھبرانے لگے، اصل بات وہی تھی، خود تو بیچارے کچھ جانتے نہیں تھے، بس گڑیا کے سہارے کاروبار زندگی چل رہا تھا، ہر لمحے اس خوف کا شکار رہتے تھے کہ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے، اللہ نے عزت عطا کی تھی کچھ سے کچھ بن گئے تھے، لیکن بس ذریعہ بھی الگ ہی بنایا تھا، کچھ دیر سوچنے کے بعد بولے۔

"سیدھی سیدھی بات ہے حکیم صاحب آپ علاج فرمائیے گا، باقی کوشش کرنا ہی انسان کا فرض ہے۔"

"ویسے تو ہم ضرور کوشش کریں گے قبلہ علی احمد صاحب، لیکن اتنا آپ بھی جانتے ہیں کہ ہم خود بھی لاولد ہیں اور ہماری بیگم دلاری بیگم بانجھ ہیں اگر اتنا مکمل علاج ممکن ہوتا تو ہم کرتے۔"

"دیکھئے میں کوشش کی بات کر رہا ہوں آپ کوشش تو کریں۔"

"ضرور، ہم اس سلسلے میں کوشش کر کے آپ کو اطلاع دیں گے۔" ویسے تو ہر مرض کا علاج گڑیا بتا دیا کرتی تھی اور حکیم صاحب کی جڑی بوٹیوں کی شیشیوں سے ہر طرح کے استفادے حاصل ہوتے تھے، لیکن یہ معاملہ ایسا تھا کہ اس معصوم سی بچی سے کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا تھا، ہاں اگر وہ خود ہی کچھ کہہ دے تو ٹھیک ہے، سمجھ میں نہیں آیا کہ اس سلسلے میں اس سے کیا بات کریں۔

پھر ایک دن مجبور ہو کر گڑیا کے سامنے پہنچ ہی گئے۔

"گڑیا بیٹے! حکیم صاحب کو تم نے حکیم صاحب بنایا ہے اور ہر مرض کا علاج بتاتی رہتی ہو، ذرا یہ تو بتاؤ کہ نواب صاحب کی تقدیر میں اولاد ہے کہ نہیں یا ایسی کوئی دوا جو ان کے لئے کارآمد ہو۔" گڑیا گھبرائی ہوئی خاموش بیٹھی رہی تھی۔

"بیٹے کوئی جواب تو دینا ہوگا انہیں۔" لیکن گڑیا نے کوئی جواب نہیں دیا، حکیم صاحب نے ہر طرح کے جتن کر لئے، لیکن اس سلسلے میں کوئی جواب انہیں نہیں مل سکتا تھا مایوس ہو گئے، بہت بار یہ کوشش کی لیکن گڑیا کا چہرہ سپاٹ ہی رہا، اپنی مرضی سے بولتی تھی، کچھ کہنا ہوا تو کہا ورنہ خاموش رہی، تنہائیوں میں اس کی آوازیں سنائی دیتی تھیں، لیکن اس سلسلے میں تنہائی میں بھی کوئی آواز نہ ابھری، تو حکیم صاحب مایوس ہو گئے اور پھر علی احمد صاحب نے جب ان سے سوال کیا تو حکیم صاحب

نے معذوری ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں قبلہ' ہم ایسی کوئی دوا دریافت نہیں کر سکے۔"

"ایک بات کہوں شبن میاں' یہ نواب صاحب کی خواہش ہے۔"

"اللہ تعالیٰ سے ہم دعا ہی کر سکتے ہیں' دوا ہمارے پاس کوئی نہیں ہے۔" حکیم صاحب نے صاف صاف کہہ دیا اور علی احمد نے نہایت مایوسی سے یہ بات نواب معظم علی کو بتائی اور نواب معظم علی نے بیگم صاحبہ کو۔

بیگم صاحبہ مایوسی سے خاموش ہو گئی تھیں' لیکن علی احمد صاحب کو اس بات پر غصہ آیا تھا' حکیم صاحب کو کوشش تو کرنی چاہیے تھی' سب کچھ تو دیتے رہے ہیں انہیں اور انہوں نے ٹکا سا جواب دے دیا۔ کچھ ناپسند آئی تھی یہ بات' پھر ایک دن علی احمد گھوڑے پر سوار ایک ویران سے علاقے سے گزر رہے تھے' دوسری بستی سے کوئی کام تھا وہاں سے واپس آ رہے تھے کہ ایک جگہ انہوں نے آگ جلتی ہوئی دیکھی' ہلکی ہلکی سردی ہو رہی تھی اور جس علاقے سے وہ گزر رہے تھے وہ ایک ویرانہ تھا۔

علی احمد صاحب کو یہ احساس پیدا ہوا کہ ویرانے میں کس نے آگ روشن کر رکھی ہے' یہاں دور دور تک پتھریلی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں اور کسی انسان کا ایسی جگہ قیام کرنا ممکن نہیں تھا' پھر آگ کیسی ہے' تجسس نے سر ابھارا تو گھوڑے کا رخ اس جانب کر دیا اور پھر ڈوبتی شام اور ابھرتی رات میں انہوں نے الاؤ کے گرد دو آدمیوں کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔

"یہ غالباً" ہندو سادھو تھے' ان کے لباس سے یہی اندازہ ہوتا تھا۔ گردن میں موٹی موٹی مالائیں پڑی ہوئی تھیں اور اوپری بدن برہنہ تھے۔ آگ کے پاس بیٹھے ہوئے آگ تاپ رہے تھے' علی احمد کو دیکھ کر دونوں نے گردنیں اٹھائیں پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"گرو' دیکھو کوئی آیا ہے۔"

"جانتے ہیں کون ہے؟"

"کون ہے گرو؟"

"ریاست کا دیوان ہے۔"

"ہماری طرف کیوں آیا ہے گرو؟"

"یہ معلوم کرنے کہ یہاں اس ویرانے میں کون بیٹھا ہوا ہے؟"

"گرو کیا کہیں اس سے؟"



"اس کے دل میں ایک آرزو ہے۔۔۔ ویسے اپنے ان داتا کا وفادار ہے اور وفاداری بہت اچھی چیز ہوتی ہے۔"

"آرزو کیا ہے گرو؟" چیلے نے پوچھا۔

"بس ان داتا کے ہاں اولاد نہیں ہے اور یہ بے چارہ چاہتا ہے کہ مالک کے دل کی یہ آرزو پوری ہو جائے۔"

"تو گرو' کیا یہ آرزو پوری ہو گی؟" چیلے نے سوال کیا اور گرو نے خاموشی اختیار کر لی۔

"بولتے نہیں ہو گرو؟" لیکن گرو پھر بھی نہیں بولا تھا۔ ادھر علی احمد سکتے میں رہ گیا تھا یہ دونوں بالکل اجنبی لوگ تھے' پہلے کبھی نواب پور میں دیکھا تک نہیں گیا تھا اور ویسے بھی سادھو سنت تھے اور دھونی رمائے بیٹھے تھے۔ علی احمد پتھرایا ہوا کھڑا رہا پھر وہ گھوڑے سے نیچے اتر گیا اور ان دونوں کے پاس پہنچا۔

"کیا بات ہے کیوں آئے ہو؟"

"آپ کون لوگ ہیں اور یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

"سادھو ہیں زمین تو کسی اور کی ہی ہوتی ہے' تم کیا ہمیں یہاں سے بھگانا چاہتے ہو؟"

"ارے نہیں سادھو مہاراج بھلا ایسے کیسے ہو سکتا ہے اور پھر آپ جیسے بڑے لوگ تو۔"

"بس...... بس بڑا نہ کہنا ہمیں گالی ہے ہمارے لئے۔"

"آپ بہت پہنچے ہوئے سادھو معلوم ہوتے ہیں۔"

"کہیں نہیں پہنچے ہم تو یہیں بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"آپ نے میرے دل کی بات کیسے جان لی؟"

"سادھو سے یہ سوال کر رہا ہے۔"

"نہیں واقعی آپ نے مجھے بہت متاثر کر لیا ہے؟"

"اس حکیم کی طرح جو کچھ بھی نہیں جانتا اور دودھ والے کا بیٹا ہے۔" علی احمد کی آنکھیں پھر حیرت سے پھیل گئیں' یہ تو واقعی کمال کی بات ہے یہ لوگ اتنا جانتے ہیں' علی احمد وہیں بیٹھ گیا۔۔۔ اور پھر اس نے کہا۔

"سادھو مہاراج جب دل کی بات جانتے ہیں تو کوئی حل بھی بتایئے اس کا؟"

"کیوں نوکر ہیں تیرے' کیا ہمیں بھی خریدنا چاہتا ہے اس حکیم کی طرح۔"

"نہیں میں بھلا آپ کو کیا خرید سکتا ہوں' میں تو بس یہ کہہ رہا تھا کہ حکیم صاحب نے منع کر دیا

ہے اور کہا ہے کہ اولاد نہ ہونے کا کوئی علاج نہیں ہوتا۔"

"حکیم کے پاس نہیں ہوگا' وہ سسرا جانتا ہی کیا ہے۔"

"تو کیا آپ کے پاس ہے؟"

"اگر ہے بھی تو تجھے کیوں بتائیں؟"

"نہیں سادھو مہاراج آپ کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا۔"

"ارے واہ چلنا ہوگا' کہاں چلنا ہوگا' ہم تو کہیں نہیں جائیں گے بابا' بس تو ہمارے من کی بات ہے کہ کچھ کریں یا نہ کریں۔"

"سادھو مہاراج بہت مہربانی ہوگی آپ کی' میں آپ کو ایسے نہیں چھوڑوں گا۔۔۔ آپ جو مانگیں گے میں آپ کو دوں گا۔"

"جا جا ہم جو مانگیں گے وہ تو ہمیں کیا دے گا؟"

"کوشش کروں گا سادھو مہاراج لیکن آپ' بس میں آپ سے کیا کہوں' آپ نے میرے دل میں امید کی شمع روشن کردی ہے۔"

"چلیے۔"

"جی گرو مہاراج۔"

"کیا کہتا ہے؟"

"گرو مہاراج آدمی اچھا معلوم ہوتا ہے۔"

"وہ تو سب ٹھیک ہے لیکن یہ کر نہیں پائے گا۔"

"میں سب کچھ کروں گا آپ کہہ کر تو دیکھیے۔"

"ہوں' تو پہلے ہمیں ایک بات کا وچن دے۔"

"حکم دیں گرو مہاراج۔"

"جو کچھ کہیں گے وہ اپنے من ہی میں رکھے گا' بات کبھی باہر نہیں جائے گی۔"

"دل سے وعدہ کرتا ہوں' گرو مہاراج۔"

"اور اگر تو نے اس بات کو پورا نہ کیا تو اندھا ہو جائے گا تو' سمجھ رہا ہے جو ہم کہہ رہے ہیں ایسا ہی ہوگا۔" علی احمد کانپ کر رہ گیا۔ اس نے کہا۔

"نہیں گرو مہاراج' میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ سے ہونے والی بات کبھی کسی سے نہیں کہوں گا۔"



"تو پھر سن جو ہم کہہ رہے ہیں اسے غور سے سن اور یہ بھی سن لے کہ اگر تو چاہتا ہے کہ کامیاب ہو' تو پھر تجھے وہ کرنا پڑے گا جو ہم کہہ رہے ہیں اور اگر تو نے نہ کیا تو کوڑھی ہو جائے گا۔"

علی احمد کی جان نکل گئی تھی' کچھ دیر تک وہ خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

"لیکن مہاراج آپ نے تو ابھی کچھ کیا ہی نہیں ہے؟"

"بول ہم جو کہہ رہے ہیں وہ کرلے گا۔۔۔ اور اگر نہ کرپائے تو نہ پوچھ۔"

"کیا وہ کوئی ایسا کام ہے گرو مہاراج جو میں نہ کرسکوں؟"

"نہیں ایسا کام نہیں ہے۔"

"یعنی آپ کے خیال میں اسے کرسکتا ہوں؟"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے بتا دیجیے۔"

"وہ جو حکیم ہے نا اس کے ہاں ایک لڑکی ہے۔"

"حکیم شبن میاں کے ہاں؟"

"ہاں جو اس کی بیٹی نہیں ہے۔"

"آپ گڑیا کی بات کر رہے ہیں؟"

"وہ گڑیا ہو یا چڑیا' ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے' کوئی لڑکی ہے اس کے پاس۔"

"ہاں مہارلج۔"

"تو اسے یہاں لے کر آئے گا۔"

"مم میں لے کر آؤں گا؟"

"ہاں۔"

"تو پھر"؟

"ہم بتائیں گے کہ اس کے بعد تجھے کیا کرنا ہے۔"

"مگر گرو مہاراج آپ اس لڑکی کا کیا کریں گے"؟

"کچھ نہیں کریں گے وہ تیرے ساتھ واپس کردی جائے گی اور اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔"

"گرو مہاراج' میں پوری پوری کوشش کروں گا مگر ایک بات بتائیے"؟

"ہاں پوچھ۔۔۔"

"کیا اسے چوری چھپے یہاں لانا ہوگا"؟

"یہ تو جانے تیرا کام لیکن سب کو بتا کر تو بھلا اسے یہاں کیسے لا سکے گا۔ کون کہے گا کہ تو اسے لے جا"؟

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن اگر میں کسی کی مدد لوں تو؟"

"وہ تیرا کام ہے' ہمارا نہیں۔" گرو مہاراج نے کہا۔ علی احمد کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"اور آپ مجھے یہیں ملیں گے مہاراج"؟

"ہاں۔"

"اور اس کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے' یعنی ہو سکتا ہے مجھے اسے یہاں لانے میں دیر ہو جائے۔"

"اس کی چنتا نہیں ہے۔" گرو نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے مہاراج' لیکن آپ مجھے یہیں ملیں ورنہ میرا حال خراب ہو جائے گا۔"

"جب تک تو دوبارہ آ کر ہمیں یہ نہیں بتا دے گا کہ تو کامیاب ہوا ہے کہ نہیں ہم تیرا انتظار کریں گے اور تجھے یہ بات بتانی ہوگی۔"

"ہاں اس کا میں وعدہ کرتا ہوں' کامیاب ہونے کی پوری پوری کوشش کروں گا لیکن اگر ناکامی بھی ہوئی تو میں آپ کو بتا دوں گا اس بارے میں۔

"ٹھیک ہے۔۔۔"

"تو پھر مجھے اجازت۔۔۔"

"جا اگر مالک کا اتنا ہی وفادار ہے تو ہم بھی تیری مدد کرنے کے لئے پوری طرح آمادہ ہیں۔۔۔"

علی احمد گھوڑے پر سوار ہوا اور وہاں سے واپس چل پڑا' لیکن اس کے ہوش اڑے جا رہے تھے۔ اس بات میں تو اسے کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا کہ یہ سادھو بہرحال تھے کام کے لوگ لیکن باقی کام جو کرنا تھا اس کے لئے خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا' مگر پتہ نہیں یہ لوگ کیا کریں گے اس بچی کا۔ بچی بے حد خوبصورت تھی بہت ہی پیاری' اور وہ لوگ سب ہی اسے پسند کرتے تھے لیکن بہرحال اگر نواب معظم علی کا یہ کام ہو جائے تو اس سے اچھی بات کیا ہوگی اس نے آخری فیصلہ کر لیا۔

علی احمد کی راتوں کی نیند حرام ہو گئی تھی' کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی' یہ احساس تو ضرور تھا کہ سادھوؤں نے اس بچی کو بلاوجہ ہی اپنے پاس بلایا ہوگا' بیچاری کو کہیں کوئی نقصان نہ پہنچ جائے'



ہے وہ باکمال سادھو تھے اور اس کے دل کی بات جان گئے تھے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ ال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بچی کو کیسے وہاں لے جایا جائے۔ حکیم شبن سے اگر ذکر بھی کر لے گا تو بات بگڑ ئے گی۔ حکیم شبن کبھی اس کے لئے تیار نہیں ہوگا۔ علی احمد نے خود بھی دیکھا تھا کہ وہ بچی کو کس ح چاہتے ہیں اور پیار کرتے ہیں۔ پھر کیا طریقہ کار اختیار کیا جائے رات بھر سوچتا رہا اور پھر ذہن ں ایک تدبیر آئی اور اس نے دل میں ایک فیصلہ کر لیا کہ اس کوشش کو آزما کر دیکھئے گا۔ حکیم شبن ں کی حقیقت تو سامنے آ ہی چکی تھی والد بزرگوار بھی کئی بار علی احمد کے علم میں آ چکے تھے اور ان شخصیت کا بھی اندازہ ہو گیا تھا اس وقت وہی ایک ایسی شخصیت جو علی احمد کے لئے کار آمد ہو سکتی ں چنانچہ اس نے دوسرے دن فرزند خاں پر نظر رکھی اور اس وقت فرزند خاں اپنے گھر کے وازے سے ٹہلتے ہوئے باہر نکلے تھے کہ تھوڑے فاصلے پر علی احمد نے انہیں جا لیا اور آواز دی۔

"خاں صاحب کہاں جا رہے ہیں۔۔۔ رکیئے ذرا بات سنئے" اور فرزند خاں رک گئے۔

علی احمد بہت بڑی شخصیت کا مالک تھا' فرزند خاں کو بھی اب ساری باتیں معلوم ہو چکی تھیں' نچہ فرزند خاں نے جھک کر سلام کیا۔

"کہاں چل دیئے خاں صاحب"؟

"بس ایسے ہی چہل قدمی کے لئے نکلا تھا۔۔۔"

"آپ سے ایک کام تھا ذرا آیئے"؟

"جی حضور فرمایئے' مجھے محل میں بلا لیا ہوتا۔ ہم تو خادم ہیں آپ کے۔"

"نہیں کوئی بات نہیں ہے آپ بزرگ ہیں خاں صاحب' کئی دن سے سوچ رہا تھا آپ سے ات کرنے کے لئے۔ کچھ باتیں کانوں تک پہنچی تھیں آپ کی شخصیت اتنی اچھی ہے کہ میرا دل کہ کم از کم آپ سے ایک بار بات تو کروں۔" علی احمد انہیں ساتھ لے کر چل پڑا۔ تھوڑے فاصلے یک باغ تھا۔ باغ میں داخل ہو کر اس نے کہا۔

"بیٹھئے۔ فرزند خاں صاحب سبز گھاس پر بیٹھنا صحت کے لئے مفید ہوتا ہے۔

"جی ہاں میں اکثر ادھر نکل آتا ہوں۔" فرزند خاں نے جواب دیا۔

"خاں صاحب آپ سے ایک سوال پوچھنا تھا"؟

"جی حضور فرمایئے۔۔۔"

"کیا آپ کو یہ اچھا لگتا ہے کہ لوگ آپ کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کریں"؟

"میرے بارے میں"؟

"جی ہاں---"
"حضور سمجھا نہیں"؟
"مطلب یہ کہ لوگ یہ کہیں کہ فرزند خاں صاحب کے پاس پائی پلے کچھ بھی نہیں ہے بس ش
میاں پر پڑے ہوئے ہیں' سارے بیوی بچوں کے ساتھ---"
"جی"
فرزند خاں حیرت سے بولے---
"جی ہاں۔"
"مگر وہ میرا بیٹا ہے--- میری اولاد ہے---"
"لوگوں کی زبان تو بند نہیں کر سکتے آپ' لوگ کہتے ہیں کہ فرزند خاں ابھی اچھے خاصے ہا
پاؤں رکھتے ہیں۔ خود بھی اگر کچھ کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں اس طرح تو ہاتھ پاؤں چھوڑ کر تو بیٹھنا نہ
چاہیے۔"
"مگر شبن میاں نے تو ایسا کبھی نہیں کہا۔"
"ہاں حکیم صاحب کی زبانی تو کبھی ایسی بات نہیں سنی' لیکن میں آپ کی بے حد عزت کر
ہوں' آپ سے کہنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو میں اس سلسلے میں آپ کی مدد کر
ہوں۔"
"کیسی مدد' دیوان صاحب۔" اور علی احمد نے جیب سے کچھ نوٹوں کی گڈیاں نکالیں اور انہ
فرزند خاں کے سامنے رکھتے ہوئے بولے۔
"آپ چاہیں تو یہ رقم کما سکتے ہیں۔"
"جی۔"
"جی ہاں' یہ میں آپ کو نقد دے رہا ہوں ابھی اور اسی وقت۔"
"مم مگر کیوں"؟
مجھے کوئی کام کرنا ہوگا۔
"جی کام کرنا ہوگا---"
"اگر ایسی بات ہے تو میں خود بھی اپنے پیروں پر کھڑے ہونا پسند کروں گا--- آپ بتایئے
کیا کام کرنا ہے"؟
"سوچ لیجئے خاں صاحب آپ شک و شبہ کا شکار ہو سکتے ہیں لیکن میں ایک بات آپ کو بتاد



ہ جو کام میں آپ کے سپرد کرنے والا ہوں' اس سے نہ تو آپ کو کوئی نقصان پہنچے گا اور نہ کسی اور
---"
"اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے' آپ مجھے ایک بار بتایئے تو سہی کہ کام کیا ہے"؟
"اور آپ مجھ سے کوئی سوال بھی نہیں کریں گے' یہ نہیں پوچھیں گے کہ ایسا میں کیوں چاہتا
ں۔ لیکن جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں وہ ایک ٹھوس حقیقت ہے---"
"آپ بے دھڑک ہو کر فرمایئے---"
"ایک بچی رہتی ہے آپ کے ہاں' آپ لوگ شاید اسے گڑیا کہتے ہیں"؟
"ہاں۔"
"کیا وہ بچی آپ سے مانوس ہے"؟
"وہ تو بہت پیاری بچی ہے مجھ سے مانوس ہو چکی ہے۔"
"آپ کے ساتھ کہیں آتی جاتی ہے"؟
"جی ہاں---"
"آپ کو اس کے بارے میں کوئی حقیقت معلوم ہے"؟
"تھوڑی بہت---"
"کیا حقیقت ہے"؟
"صرف اتنی کہ ظاہر ہے کہ وہ شبن کی بیٹی نہیں ہے اور اسے کہیں سے مل گئی تھی---"
"کچھ لوگ ملے ہیں مجھے جن کا خیال ہے کہ وہ اس بچی کو اچھی طرح جانتے ہیں---"
"آہ کیا اس کے والی وارث"؟
"نہیں' وہ خود تو اس کے والی وارث نہیں ہیں' بس ایسے ہی تذکرہ ہو گیا تھا ان سے' تو انہوں
یہ بات کہی---"
"اچھا تو پھر"؟
"میں چاہتا ہوں کہ شبن میاں کو اس کا علم نہ ہو---"
"کس بات کا"؟
"یہی جو میں آپ سے کہہ رہا ہوں---"
"آپ بے دھڑک فرمایئے---"
"بچی کو لے کر ان کے پاس چلنا ہے ذرا' وہ اسے دیکھیں گے اور صرف اپنا یہ شبہ دور کر لیں گے

کہ کیا یہ وہی لڑکی ہے۔۔۔"

"اس کے بعد"؟

"بس اس کے بعد آپ واپس آجائیں گے اسے لے کر۔۔۔"

"بس اتنی سی بات یا اس کے علاوہ بھی کوئی کام ہے"؟

"نہیں۔"

"تو پھر حضور یہ رقم جو آپ مجھے عطا فرما رہے ہیں"؟

"بس یہ سمجھ لیجئے اس چھوٹے سے کام کا صلہ ہے۔۔۔"

"اتنا بڑا۔" فرزند خاں نے حیرت سے کہا۔

"نہیں آپ اسے بڑا نہ کہیں اصل میں بہت دن سے میں سوچ رہا تھا کہ آپ سے یہ با کروں' اب یہ موقع مل گیا تو میں نے سوچا کہ چلئے اس سے فائدہ حاصل کر لیا جائے' ویسے بھی آ ایک غیرت مند آدمی ہیں اور کوئی غیرت مند آدمی بلاوجہ کسی کی مدد قبول نہیں کرتا۔۔۔"

"یہ بہت زیادہ ہے فرزند خاں نے کہا۔۔۔"

"آپ اسے تو رکھ ہی لیجئے' لیکن یوں سمجھ لیجئے کہ یہ کوئی احسان نہیں ہے ان لوگوں سے مے شناسائی ہے اور وہ اس بات کے خواہشمند ہیں' شبن میاں سے کہہ نہیں سکتا تھا نا جانے کیا سوچتے۔ چارے اس لئے میں نے سوچا کہ آپ سے یہ کام لوں۔۔۔"

"میرا خیال ہے میں یہ کام بآسانی کر دوں گا۔ کب کرنا ہے ہمیں یہ کام"؟

"یہ آپ فرمائیے"؟

"میں بچی کے ساتھ ٹہلتا ہوا باہر نکل آتا ہوں آپ ان لوگوں کو بلا لیجئے۔"

"وہ یہاں نہیں آئیں گے' ہمیں تھوڑا سا چلنا ہو گا آپ ایسا کریں کہ وقت کا تعین کر لیں مق وقت پر آپ بچی کو اپنے ساتھ لے آئیں' بعد میں میں آپ کو بتا دوں گا کہ ہمیں کہاں چلنا ہے۔"

"بہتر ہے میں یہ کر لوں گا' دوپہر کو ایک بجے میں یہاں باغ میں پہنچ جاؤں گا۔" فرزند خاں وا چلے آئے کوئی بات ہی نہیں تھی۔ لیکن جیب میں نوٹ بھرے ہوئے تھے اور اتنے نوٹوں کا تص انہوں نے زندگی میں بھی کبھی نہیں کیا تھا۔ چھوٹا سا کام اور اس کا اتنا بڑا معاوضہ کوئی ایسی ویسی با بھی نہیں ہے علی احمد کوئی برا آدمی نہیں ہے۔ نواب معظم علی کا دیوان ہے ویسے بھی اگر حکم دی انہیں اس کے اس حکم کی تعمیل کرنا پڑتی۔ چنانچہ اگر ایسے اس کا تعاون حاصل ہو جائے تو کوئی بر بات نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے مقررہ وقت پر گڑیا کو ساتھ لیا اور ٹہلتے ہوئے باہر نکل آئے۔۔



گڑیا نے معنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھا تھا' اور نا جانے کیوں فرزند خاں کو یہ احساس ہوا تھا کہ بچی کی آنکھوں میں کوئی خاص بات ہے۔ گھر سے نکل کر انہوں نے کہا۔

"گڑیا بیٹے' ہمارے ساتھ سیر کرنے چلو گی؟" جواب میں گڑیا طنزیہ انداز میں مسکرا دی۔۔۔

"کیوں کیا بات ہے کیا سوچ رہی ہو"۔۔۔ لیکن گڑیا کسی بات کا جواب تو دیتی ہی نہیں تھی۔ فرزند خاں اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے باغ تک پہنچ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے علی احمد کو دیکھا جو ان کا انتظار کر رہا تھا۔ علی احمد کے پاس ایک اور گھوڑا بھی تھا جس پر اس نے فرزند خاں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور فرزند خاں کو گھوڑے پر بٹھانے کے بعد خود بھی پشت پر سوار ہو گئے اور اس کے بعد وہ دونوں چل پڑے۔

"فرزند خاں کے دل میں عجیب سے احساسات جاگ رہے تھے۔ لیکن بہرحال انہوں نے اپنے آپ کو قابو میں رکھا تھا گھوڑے تیز رفتاری سے دوڑ رہے تھے پھر نا جانے کتنی دیر تک گھوڑے دوڑتے رہے' دوپہر کی دھوپ چلبلا رہی تھی اور گڑیا خاموشی سے فرزند خاں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی پھر دفعتاً" ہی یوں ہوا کہ فرزند خاں کا گھوڑا ٹھوکر کھاتے کھاتے بچا۔ علی احمد ساتھ چل رہا تھا۔ فرزند خاں نے بمشکل تمام گھوڑے کو سنبھالا ویسے بھی کوئی ماہر سوار نہیں تھے۔ گرتے گرتے بچے تھے۔ فرزند خاں کا گھوڑا بھی رک گیا۔ لیکن اس کے بعد جو انہوں نے منظر دیکھا وہ ناقابل یقین تھا۔ گڑیا گھوڑے پر بیٹھی ہوئی تھی لیکن اس کے دونوں پیر کئی کئی گز لمبے ہو گئے تھے اور آگے جا کر زمین سے جا لگے تھے' گھوڑا زور لگا رہا تھا لیکن ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ پا رہا تھا۔ پھر اچانک ہی گڑیا نے فرزند خاں کی طرف دیکھا اور اس کے حلق سے ایک کھنکتا ہوا قہقہہ نکلا۔ فرزند خاں اور علی احمد کے ہوش اڑ گئے تھے۔ یہ ناقابل یقین منظر تھا پھر گڑیا انہی لمبے پیروں کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔ وہ گھوڑے کے قد سے کئی فٹ اونچی تھی اور فرزند خاں کی دہشت بھری چیخ نکل گئی۔ علی احمد کا گھوڑا کسی طرح بھاگا تھا اور فرزند خاں گھوڑے سے گر پڑے تھے وہ جیسے ہی نیچے گرے ان کا گھوڑا پلٹ کر بھاگ نکلا اور وہ حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گڑیا کو دیکھنے لگے جو اب اپنے کئی کئی گز لمبے پیروں سے تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی اور تھوڑی دور جا کر وہ نگاہوں سے غائب ہو گئی۔۔۔

❀❀❀

سکندر شاہ نے دور دور تک نگاہیں دوڑائیں' آج کچھ زیادہ ہی سنسان ماحول تھا۔ ہ
موسم بھی برا نہیں تھا۔ اچھی خاصی خنکی تھی فضا میں' آسمان پر بادل ٹھہرے ہوئے تھے لیکن
بس وقت ہوتا ہے۔ لوگوں کی زیادہ آمدورفت نہیں تھی ویسے بھی یہ کوئی مین سڑک نہیں تھ
ایک ذیلی سڑک تھی قرب و جوار میں کچھ دوکانیں بکھری ہوئی تھیں' سڑک چوڑی تھی اور
والوں نے سکندر شاہ کو یہاں بیٹھنے کی اجازت دے دی تھی۔ یہ اس کا مستقل ٹھکانہ تھا' گھر
فاصلہ بھی نہیں تھا یہاں کا وہ اپنے گھر سے یہاں تک پیدل ہی آتا تھا۔ فٹ پاتھ پر ایک کپڑے
لگا ہوا تھا جس پر لکھا تھا "سکندر شاہ فال والا" تقدیر کا حال ایک روپے میں پوچھئے' ننھا سا پرندہ
ہے۔ یہ بورڈ فٹ کر دیا جاتا تھا پھر ایک پنجرہ جس میں دو طوطے بند رہتے تھے' لفافوں کی ایک
جس میں سکندر شاہ کے سارے علم بند تھے اور ان لفافوں پر مختلف تحریریں لکھی ہوئی تھیں۔
کے مسائل ہی کتنے ہوتے ہیں' بس چھوٹی چھوٹی باتیں جو انسان کی زندگی سے گہرا تعلق رکھ
ملازمت' شادی' محبت' جادو ٹونے' تعویذ وغیرہ وغیرہ۔۔۔ یہ کام وہ پچھلے پانچ سال سے کر ر
اس کام سے جو آمدنی ہو سکتی تھی اس کا تذکرہ بے کار ہے آٹھویں کلاس تک پڑھا ہوا تھا کوئ
نہیں ملتی تھی بھلا آٹھویں کلاس پاس کو کیا نوکری ملتی۔ وہ تو شکر ہے قدرت نے ساتھ دیا تھا
سے اولاد ہو جاتی تو پھر تو خودکشی ہی کرنی پڑتی میاں بیوی تھے اور بس اللہ کا نام۔ سکینہ بہت
بیوی تھی ہر حالت میں خوش رہنے کی عادی۔ سگے چچا کی بیٹی تھی اور چچا نے اس کا ہاتھ س

میں دیتے ہوئے کہا تھا۔۔۔
"بیٹا' باقی سارے تقدیر کے کھیل ہیں۔ دو وقت کی روٹی دے دینا کسی چھت کے نیچے بٹھا دینا اور
ڈھکنے کے لئے کپڑے۔ باقی اس کی تقدیر ہے۔ یہ تو اللہ کا کام ہوتا ہے کہ کسے کیا دے گا اور
رنے مرتے ہوئے چچا سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ سکینہ کا زندگی کی آخری سانس تک ساتھ دے گا
وہ ساتھ دے رہا تھا وہ تو شکر ہے کہ چچا نے ایک کچی آبادی میں جھونپڑی ڈالی ہوئی تھی۔ سر
نے کا ٹھکانہ چل رہا تھا۔۔۔ باقی جو بھی اللہ دے دے' میاں بیوی خوشی سے کھا لیتے تھے۔ لیکن
ر کے دل میں یہ خیال ضرور تھا کہ اگر تقدیر نے کبھی ساتھ دیا تو کتنی ہی محنت کرنی پڑے بیوی
لئے تاج محل ضرور بنائے گا اور اپنے اس خیال پر وہ خود ہی دل میں ہنستا تھا۔۔۔ دوپہر ہو چکی تھی
آج صبح سے ابھی تک کوئی ضرورت مند نہیں آیا تھا۔ شاید دنیا کے سارے لوگوں کی ضرورتیں
ی ہو گئی تھیں۔ نہ کسی کو نوکری کی تلاش تھی' نہ کسی پر کسی نے جادو ٹونا کرایا تھا۔ اور نہ ہی کوئی
محبت کا حال جاننا چاہتا تھا۔ سکندر نے طوطوں کی طرف دیکھا اور بولا۔
"ہاں بیٹا بھوک تو نہیں لگی ہے' ویسے ابھی تمہارے کھانے کا وقت بھی نہیں ہوا ہے۔ تھوڑی
اور انتظار کر لیتے ہیں پتہ نہیں آج ہمیں کیوں بھوک لگ رہی ہے۔ مگر بھائی اصول اصول ہوتے
۔ دور سے دو نوجوان لڑکے آتے ہوئے نظر آئے' آوارہ مزاج تھے۔ سڑک پر گشت کرنے والے
یک سے الجھنے فٹ پاتھ سے گزرے تو رک کر بورڈ پڑھنے لگے' پھر مسکراتے ہوئے بیٹھ گئے۔
"تو آپ سکندر شاہ ہیں"؟
"ہاں بھائی ہیں تو سہی۔۔۔"
"یونان سے کب آنا ہوا"؟
"بس صدیوں پہلے آئے تھے اب یہاں آ کر زندگی کے جال میں پھنس گئے ہیں۔۔۔"
"یہ حال ہو گیا۔ آپ نے تو آدھی دنیا فتح کر لی تھی"؟
"ہاتھ سے نکل گئی ورنہ اس فٹ پاتھ پر نہ بیٹھے ہوتے۔" سکندر شاہ ہنس کر بولا۔۔۔
"یار ایک بات بتاؤ' تم دنیا کو اس کی تقدیر کا حال بتاتے ہو' اپنی تقدیر کا لفافہ نہیں نکالا تم نے
ی"؟
"اپنی تقدیر کا لفافہ اس میں ہے ہی نہیں پہلوان۔ ہوتا تو معلوم کر لیتے کہ آگے کیا لکھا ہوا
ہے۔۔۔"
"بہرحال' سکندر کی تم نے بڑی مٹی پلید کی ہے"؟

"ارے ہم نے کیا کی بھیا' زمانے نے کی ہے' بیچارہ اگر اس دور میں پیدا ہوا ہوتا تو آدھی دنیا تو کیا فتح کرتا۔ آدھی دنیا اسے فتح کرلیتی۔" دونوں نوجوان ہنستے ہوئے آگے بڑھ گئے تھے یہی کیفیت تھی سکندر خود اپنے نام کا مذاق اڑاتا تھا۔ ماں باپ نے اتنا بڑا نام رکھ دیا تھا۔ یہ سوچ سمجھے بغیر کہ اب آدھی دنیا کی تسخیر ناممکن ہے بلکہ اب تو ہر شخص دنیا کے ہاتھوں تسخیر ہو رہا ہے۔ تھوڑی دیر تک بیٹھا رہا پھر تھکے تھکے لہجے میں بولا۔۔۔

"چلو بھئی ٹیلو' بیلو' کھانا کھالو یار' تم کھالو گے تو اس کے بعد ہماری بھی باری آئے گی' طوطوں کے لئے ایک پوٹلی میں چوری بنی ہوئی رکھی تھی۔ سکندر نے بڑے پیار سے چوری کو برتن میں ڈالا اور پھر دونوں طوطوں کو نکال کر محبت سے انہیں کھلانے لگا' دوپہر تک وہ اس شغل میں مصروف رہ اور اس کے بعد طوطوں کو پانی پلایا گیا۔ پانی پلانے کے بعد اس نے انہیں واپس پنجرے میں بند کردیا اور بولا۔۔۔

"ہاں بھئی ٹیلو' بیلو اجازت ہے اب ہم بھی روٹی کھالیں' پھر اس کے بعد اس نے پانی سے ہاتھ دھوئے' یہ سازو سامان اپنے ساتھ ہی لاتا تھا۔ ہاتھ دھونے کے بعد اس نے دوسری پوٹلی نکالی' جس میں دو روٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ایک روٹی پر رات کی پکی ہوئی دال رکھی تھی یہی اس وقت کا لنچ تھ اس نے رومال بچھایا' روٹیاں رکھیں اور پھر بسم اللہ کہہ کر ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ نگاہ سامنے اٹھ گئی۔ سامنے والے پتھر پر ایک بچی بیٹھی ہوئی تھی نگاہیں اس کی طرف تھیں۔ سکندر اسے دیکھ کر چونک پڑا' دور دور تک دیکھا' کوئی موجود نہیں تھا۔ بچی بڑی پیاری صورت کی مالک تھی سکندر اسے حیرت سے دیکھتا رہا' پتہ نہیں وہاں کیوں بیٹھی ہوئی ہے' کس کے ساتھ آئی ہے آس پاس تو کوئی نظر نہیں آتا تھا کچھ لمحے وہ اسے دیکھتا رہا پھر نا جانے کیا خیال آیا' روٹی رومال سے ڈھکی اٹھ کر بچی کے پاس پہ اور بولا۔۔۔

"بیٹا یہاں کیوں بیٹھی ہوئی ہے' کوئی ساتھ ہے تیرے۔" بچی نے نفی میں گردن ہلا دی۔۔۔"

"کوئی ساتھ نہیں ہے۔۔۔" اس نے پھر سوال کیا اور بچی نے پھر اسی طرح گردن ہ دی۔۔۔"

"آ بیٹا آ ذرا میرے ساتھ آ' آ تو سہی' سکندر حیرانی سے بچی کا ہاتھ پکڑے ہوئے اپنے ٹھکانے پہنچ گیا پھر بچی کو سامنے بٹھاتا ہوا بولا۔۔۔

"مگر کہاں سے آئی ہے تو؟" بچی نے کوئی جواب نہیں دیا اور خاموشی سے سکندر کو دیکھ لگی۔۔۔



"تیرا کوئی بھائی بہن و ماں باپ نہیں ہے"؟ بچی نے پھر انکار میں گردن ہلا دی۔

"ارے بیٹا تو پھر کہاں رہتی ہے آخر' اچھا یہ بتا بھوک لگ رہی ہے کیا"؟ بچی نے اس کی طرف یکھا پھر روٹیوں کی طرف' پھر گردن ہلا دی اور پھر اس کے منہ سے مدھم سی آواز نکلی۔

"ہاں۔۔۔"

"اللہ کا شکر ہے تو بولتی تو ہے' میں تو سمجھا کہ کہیں گونگی تو نہیں ہے۔ لے بیٹا پھر بسم اللہ کر کھا لے۔۔۔ اس نے رومال آگے بڑھا دیا۔ بچی نے اسے دیکھا اور پھر روٹیوں کی طرف اور پھر جھک کر پر والی روٹی اٹھالی اس پر سے آدھی دال دوسری روٹی پر پلٹی اور ایک روٹی خود لے کر بیٹھ گئی۔

"کھالے بیٹا کھالے ایک روٹی میں بھلا تیرا کیا پیٹ بھرے گا۔۔۔"

"نہیں دوسری تم کھالو۔۔۔"

"ارے نہیں بیٹا' ہم تو مست قلندر ہیں شام کو گھر جا کے کھالیں گے تو تو مہمان ہے' کھالے بیٹا ٹ بھر کے کھا۔" سکندر محبت سے بولا۔

"ایک روٹی تم کھالو' جب تم کھاؤ گے' تو میں کھاؤں گی۔"

"ارے' اچھا بھئی ٹھیک ہے چل آج آدھے آدھے پیٹ بھر لیتے ہیں دونوں' میں شام کو تجھے ر لے جا کر خوب پیٹ بھر کر روٹی کھلاؤں گا ٹھیک ہے نا" بچی نے مسکراتے ہوئے گردن ہلا دی۔ ندر اپنی روٹی کھانے لگا' لیکن اس کی نگاہیں بار بار اس بچی کی طرف اٹھ جاتی تھی' اس کے ہاتھ ں اس کا چہرہ اس کے صاف ستھرے کپڑے' لگتا تھا کسی اچھے گھر کی ہے' لیکن کہتی ہے کہ اس کا ئی نہیں ہے' اتنی بڑی بچی کسی فریب سے بھی کام نہیں لے سکتی اور نہ ہی یہ سوچا جا سکتا ہے کہ وہ نے گھر سے بھاگ کر آئی ہے پتہ نہیں کیا چکر ہے۔ بچی آہستہ سے روٹی کھا رہی تھی۔ پھر سکندر نے بڑے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے پانی پلایا اور بچی کے چہرے پر ایسے اطمینان آنے لگا ے اسے سب کچھ حاصل ہو گیا ہو۔

"مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے بیٹا کہ جب تیرا کوئی بھی نہیں ہے تو تو کہاں رہتی تھی اب تک' کچھ تو ہمیں۔ کہیں ہم کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں۔۔۔" لڑکی خاموش رہی سکندر سوچتا رہا۔۔۔ راس نے کہا۔

اللہ کی مرضی ہم تو نیک نیتی سے جس کی امانت ہے اس کے حوالے کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن اگر دنے تجھے ہمیں دے دیا ہے تو بیٹا تیرے پاؤں ہمارے سینے پر جس قابل ہیں تیری خدمت کریں ے بالکل فکر مت کر ادھر بیٹھ جا آرام سے۔ بچی جیسے اس کی ساری باتیں سمجھ رہی تھی۔ اس کے

چہرے کا سکون یہی بتاتا تھا لیکن بہرحال یہ بات سکندر کے دل میں تھی کہ بچی ہے کسی اچھے گھرانے کی۔ تھوڑی دیر کے بعد نیلے رنگ کی ایک لمبی سی کار آتی ہوئی نظر آئی اور سکندر کے ٹھکانے سے کچھ فاصلے پر فٹ پاتھ کے ساتھ رک گئی' کار کی ایک سیٹ پر ایک بیگم صاحبہ بیٹھی ہوئی تھیں۔ دوسری سیٹ پر ایک نوجوان لڑکا جو کار چلا رہا تھا۔ سکندر کی نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں اس نے نوجوان لڑکے کو کار سے اترتے ہوئے دیکھا تو بیگم صاحبہ نے کہا۔

"ناصر زیادہ دیر مت لگانا' میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔"

"جی انٹی بس ابھی آیا۔" نوجوان لڑکے نے کہا اور سڑک عبور کر کے سامنے والی عمارت کی سیڑھیوں کی جانب بڑھ گیا۔ بیگم صاحبہ خاموش بیٹھی ہوئی تھیں پھر ان کی بھٹکتی ہوئی نگاہیں سکندر کے بورڈ پر پڑیں اور وہ جھک کر اسے دیکھنے لگیں۔۔۔ چند لمحے دیکھتی رہیں پھر ادھر ادھر دیکھنے لگیں اس کے بعد انہوں نے کار کی سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کرلیں دس پندرہ منٹ گزر گئے تو وہ بے چینی سے اس عمارت کی طرف دیکھنے لگیں جہاں نوجوان لڑکا گیا تھا پھر نا جانے انہیں کیا خیال آیا۔ دروازہ کھول کر نیچے اتریں اور ٹہلتی ہوئی سکندر کے پاس آگئیں۔۔۔ اور اس کا بورڈ پڑھنے لگیں۔

"تم فال کا کام کرتے ہو؟"

"جی بیگم صاحبہ۔"

"تو ذرا نکالو میرے لئے کوئی لفافہ۔"

"جی بیگم صاحبہ۔" سکندر نے کہا اور ایک طوطے کو جلدی سے پنجرے سے نکال لیا۔ بیگم صاحبہ دلچسپی سے سکندر کے طوطے کو دیکھ رہی تھیں۔ طوطے نے چند لفافوں پر گشت کیا اور اس کے بعد اپنی چونچ سے ایک لفافہ باہر کھینچ لیا۔ سکندر نے جلدی سے لفافہ اٹھایا۔

"لاؤ مجھے دو۔"

"پڑھ کر سناتا ہوں بیگم صاحبہ۔"

"سناؤ اچھا۔" سکندر نے لفافے میں سے نکلنے والے کاغذ پر نظر ڈالی' ایک دم کچھ پریشان ہوگیا۔ یہ تحریر اس کی جانی پہچانی نہیں تھی اور نہ ہی دوسرے لفافوں کے انداز میں چھپی ہوئی بلکہ یہ کالے قلم سے روشنائی سے لکھا گیا تھا۔ سکندر نے بلند آواز سے اسے پڑھا۔ وہ اپنی حیرت کر رہا تھا لیکن تحریر کے الفاظ اس کے منہ سے نکلے تھے۔

"نگار پور میں اپنی پھوپھی کے ہاں ہیں دیر کرو گی تو نقصان ہوگا۔" بیگم صاحبہ اچھل پڑیں



ں نے جلدی سے لفافہ سکندر کے ہاتھ سے لپک لیا تھا اور اس پر لکھے ہوئے الفاظ پڑھنے لگیں۔ ) کا چہرہ حیرت سے سرخ ہوگیا تھا' پھر انہوں نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور بولیں۔

"اور دوسرے لفافوں میں کیا ہے؟"

"نہیں بیگم صاحبہ کوئی جادو ٹونا نہیں ہے بس تحریریں ہیں انسان اپنے دل میں سوچتا ہے کہ کیا ئلہ ہے اور اسے اس کے مسئلے کے مطابق کوئی اگر لفظ مل جائے تو۔۔۔"

"لیکن۔۔۔ لیکن۔۔۔ تم۔۔۔ تم نگار پور کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"پتہ نہیں بیگم صاحب ہم تو کچھ بھی نہیں جانتے' جو جانتا ہے یہ پرندہ ہی جانتا ہے اللہ کی مخلوق ہے جی۔" اس وقت دور سے نوجوان آتا ہوا نظر آیا۔۔۔ بیگم صاحبہ نے جلدی سے پرس کھولا سو پے کا ایک نوٹ نکال کر سکندر کی جانب پھینکا اور سکندر جلدی سے بول پڑا۔

"نہیں جی آج تو ایک روپیہ بھی نہیں کمایا' چلیں چھوڑیں کوئی بات نہیں ہے پھر کبھی ادھر سے زریں تو ہمارا روپیہ ہمیں دے دیجئے۔"

"نہیں یہ رکھ لو باقی تمہارا انعام ہے بیگم صاحبہ نے کہا اور تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی کار میں بیٹھیں۔ نوجوان ان کے پاس آیا تو بیگم صاحبہ نے اس سے کچھ کہا۔ نوجوان نے جلدی سے سیٹ پر ٹھ کر کار اسٹارٹ کی اور کار زن سے ہوا میں پرواز کر گئی۔ اتنی تیز رفتاری سے گئی تھی وہ کہ دیر تک رد اڑتی رہی تھی۔۔۔ اور سکندر کا منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔

"واہ رے اللہ میاں' تجھ سے بڑا مہاجن ہم نے تو نہیں دیکھا۔ ایک روٹی کھلائی ہے ایک وارث بچی کو اور ننانوے روپے کا فائدہ کیا تو نے زبردست ارے بیٹا دیکھ ہم ٹھہرے نکھٹو' ہماری وی ہمیں یہی کہتی ہے کہ ہم کوئی کام دھندہ نہیں کرسکتے اب سو روپے کا نوٹ ہاتھ آیا ہے تو آج ر اعیاشی ہوجائے' چل ذرا یہ لفافے سمیٹ' آجا لگ جا بیٹا ہمارے ساتھ اور بچی ہنس پڑی پھر اس نے لفافے سمیٹے' سکندر نے انہیں بکس میں بند کیا۔ بورڈ لپیٹ' بغل میں دبایا۔ بچی نے طوطے کا نجرہ اٹھالیا اور سکندر اپنا کاروبار بند کر کے گھر کی جانب چل پڑا۔

دماغ میں بہت سے خیالات تھے۔ بچی بہت بھاگوان تھی۔ اس کے آتے ہی سو روپے کا نوٹ تھ لگا تھا۔ مگر نہ جانے کس کی بچی ہے۔ کہتی تو یہی ہے کہ دنیا میں اکیلی ہے۔ لیکن اکیلی ہے تو اسے یہ خوبصورت کپڑے کس نے پہنائے ہیں۔ کوئی تو اس کا والی وارث ہوگا۔ چلو جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ہ گھر کے دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔

"سکینہ نے حیرت بھری نگاہوں سے بچی کو دیکھا اور جلدی سے اس کے قریب پہنچ گئی۔

"ہائے کتنی پیاری بچی ہے کس کی ہے۔ کوئی آیا ہے مہمان کہیں سے؟"

"ہاں یہی مہمان آئی ہے۔" سکندر مسکرا کر بولا۔

"کہاں سے؟" سکینہ بچی کے خوبصورت بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگی۔

"آسمان سے۔" سکندر نے جواب دیا۔

"کیا؟"

"آسمان سے آیا ہے یہ مہمان۔"

"ٹھیک ٹھیک بتاؤ کون ہے' کون ہو تم بیٹی' کیا نام ہے تمہارا؟"

سکینہ نے لڑکی سے پوچھا' لڑکی نے طوطے کا پنجرہ نیچے رکھ دیا' لیکن سکینہ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"شرما رہی ہے شاید' کس کی بچی ہے یہ۔۔۔ بتاتے کیوں نہیں ہو سکندر؟ اور تم اتنی جلدی اٹھ آئے۔"

"ہاں وہ آج کی کمائی اللہ میاں نے دے دی بلکہ کئی دن کی ایک ساتھ دے دی' یہ لے سو روپے کا نوٹ۔"

"ہائے میں مرجاؤں' سو روپے کمائے ہیں آج تم نے؟"

"ہاں اور وہ بھی بس دو منٹ کے اندر اندر' اچھا تو چائے بنا دودھ پتی ہے۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔"

"مجھے بھی پلا اور ہماری اس رانی کو بھی پلا' ارے کیا نام ہے بیٹا تیرا' کچھ تو بتا ہمیں۔" لیکن لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تو سکندر نے کہا۔

"چل ٹھیک ہے نہ بتا ہم نے رانی کہہ دیا۔ رانی ہی کہیں گے تجھے۔" سکندر نے جلدی سے لفافوں کا بکس کھولا اور اس میں سے سارے لفافے نکال لئے' وہ لفافہ تلاش کرنے میں اسے دقت نہیں ہوئی جو اس نے اس عورت کو دکھایا تھا۔ اس کی تحریر سکندر کو سخت حیران کر رہی تھی' اس نے لفافہ کھول کر دیکھا وہی تحریر لکھی تھی۔ لفافے پورے تھے ان کا اصل کاغذ غائب تھا اور یہ تحریر بدلی ہوئی تھی۔ سکندر خواب میں بھی یہ نہیں سوچ سکتا تھا کہ اس کے لفافوں میں کاغذ خود بخود بدل جائے گا۔ بہرحال اس کی یہ حیرت کسی طرح ختم نہ ہو سکی۔ یہ لفافہ اس نے نہیں لکھا تھا۔ بیوی کو ساری بات بتائی اور بیوی بھی حیران رہ گئی۔ بہرحال سکندر نے کہا۔

"یار کوئی آج ڈھنگ کی چیز پکا لے سکینہ۔ بڑا عرصہ ہو گیا کوئی قاعدے کی چیز کھائے ہوئے۔"



"جو تمہارا دل چاہے کرو۔ میں تو کہوں پیسے سنبھال کر رکھو' ہوائی روزی ہے کیا پتہ کل کچھ ملے یا نہ ملے۔"

"اللہ مالک ہے کل کی فکر کل کریں گے تو آج تو ہماری عیاشی کرا دے ذرا۔ چنانچہ سکینہ نے گردن ہلا دی۔ تھیلا لے کر بازار نکل گئی اور سکندر بچی سے باتیں کرنے لگا۔ بچی صرف مسکراتی تھی' بولتی بالکل نہیں تھی۔ حالانکہ اس نے چند الفاظ سکندر سے ادا کئے تھے اور سکندر کو یہ علم ہو گیا تھا کہ وہ گونگی نہیں ہے بہرحال دونوں میاں بیوی بڑے خوش تھے' بچی کے آ جانے سے رونق بڑھ گئی تھی۔ سکینہ نے اس کا منہ ہاتھ دھلایا تھا' بال سنوارے تھے۔ دو چوٹیاں باندھی تھیں اور بچی اور زیادہ خوبصورت نظر آنے لگی تھی' پھر دونوں نے اسے اپنے پاس ہی سلایا۔ بچی پیار بھرے انداز میں سو گئی تھی لیکن آدھی رات کو جب سکینہ کی آنکھ کھلی اور وہ اپنے جاگنے کی وجہ تلاش کرنے لگی۔ پھر اسے بچی یاد آئی اور پھر چونک کر اسے دیکھا۔ بچی ان کے درمیان موجود نہیں تھی سکینہ حیرت سے اچھل پڑی۔ ایک لمحے کے لئے اس نے سوچا کہ سکندر کو جگائے۔ پھر سوچا کہ سکندر گہری نیند سو رہا ہے اسے نہ جگایا جائے' ہو سکتا ہے بچی باہر غسل خانے وغیرہ گئی ہو' وہ دروازہ کھول کر باہر نکلی' صحن میں پورا چاند کھلا ہوا تھا اور چاندنی میں بچی پالتی مارے بیٹھی ہوئی کچھ بول رہی تھی۔ سکینہ نے اس کی آواز سنی اور حیران رہ گئی۔ یہ کیا قصہ ہے اس نے دل ہی دل میں سوچا اور حیرت سے بچی کو دیکھتی رہی۔ بچی کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔ پھر اس کی خوبصورت ہنسی کی آواز سکینہ نے سنی اور نا جانے کیوں اس کے دل میں ایک ڈر سا بیٹھ گیا۔ وہ چند لمحے کھڑی رہی پھر خوفزدہ ہو کر اندر واپس آ گئی۔ سکندر کی طرف دیکھا لیکن نا جانے پھر کیا سوچ کر خاموش ہو گئی اور اس کے بعد وہ لیٹی رہی' تھوڑی دیر گزری تھی کہ بچی دروازہ کھول کر اندر آئی اور آہستگی سے ان کے درمیان آ کر لیٹ گئی۔ لیکن سکینہ کو یہ حیرت تھی کہ وہ اکیلے ہی اکیلے باتیں کر رہی تھی کیونکہ کوئی اور نظر نہیں آ رہا تھا۔ یہ کیا قصہ ہے؟ اس نے سوچا' بڑی مشکل سے اس نے اپنے پیٹ میں بات سمائے رکھی تھی۔ لیکن دوسری صبح اس نے سکندر کو یہ ساری بات بتائی۔ بچی اس وقت یہاں موجود نہیں تھی اور گھر کے باہر دالان میں تھی۔

"کوئی تھا نہیں اس کے ساتھ؟"

"نہیں سکندر' یہ سوچ رہی ہوں کہ کوئی گڑبڑ نہ ہو؟"

"کیا گڑبڑ ہو سکتی ہے؟"

"پپ پتہ نہیں۔"

"تو کہتی ہے کوئی تھا بھی نہیں۔۔۔ وہ اکیلی ہی باتیں کر رہی تھی؟"

"ہاں، اور ہنس بھی رہی تھی۔"

"ہو سکتا ہے یہ کوئی مرض ہو؟"

"مگر مجھے تو ڈر لگ رہا ہے۔"

"پاگل ہے تو اتنی پیاری بچی ہے۔" پھر سکندر نے بیوی کو سمجھا بجھا کر خاموش کر دیا اس کے ذہن میں ایک آدھ دفعہ آیا تھا کہ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ لیکن پھر اس نے اسے نظرانداز کر دیا تھا البتہ جب وہ اپنا طوطا اور پنجرہ سنبھال کر باہر نکلنے لگا تو اس نے سوچا بچی کو ساتھ ہی لے جایا جائے لیکن بچی اتنی بڑی بھی نہیں تھی کہ اسے ساتھ رکھا جائے۔ لڑکی ذات تھی اس نے سکینہ سے کہا۔

"سکینہ میں اسے تیرے پاس چھوڑے جا رہا ہوں اور سن کوئی فضول بات مت سوچنا۔۔۔ جا رہا ہوں میں، اچھا رانی بیٹی تم اپنی چچی کے ساتھ رہو۔ ان کے ساتھ چھوٹے موٹے کام میں ہاتھ بٹا دینا یہ خوش ہو جائیں گی۔" بچی نے مسکرا کر گردن ہلا دی تھی۔ یہی انوکھی بات تھی کہ ہر بات سمجھتی تھی وہ بس زبان سے کچھ نہیں بولتی تھی۔ آج سکندر کا ستارہ عروج پر ہی رہا کوئی ۳۵ روپے کمائے تھے۔ اس نے صبح سے شام تک، عام حالات میں اتنی آمدنی نہیں ہوتی تھی اگر بہت ہی زیادہ تقدیر کے مارے آ گئے تو دس پندرہ روپے مل جایا کرتے تھے لیکن آج پورے ۳۵ روپے اس کے پاس تھے اور وہ خوشی خوشی اپنا کام ختم کر کے گھر پہنچا تھا۔ گھر پہنچا تو ماحول خاصہ بدلا ہوا دیکھا۔ سارے گھر کی صفائی چندن جیسی ہو گئی تھی۔ سکینہ نے بچی کے کپڑے وغیرہ دھو کر اسے پہنا دیئے تھے۔ سکندر کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"ارے یہ اپنی رانی تو کمال کی ہے گھر کے سارے کام چٹکیاں بجا کر کر لیتی ہے۔ میں نے کچھ کہا بھی نہیں تھا۔ بس سودا لینے باہر گئی تھی۔ واپس آئی تو دیکھا باورچی خاصہ صاف، صحن صاف، دالان صاف، برتن سب دھلے ہوئے۔ ساری دیگچیاں صاف کر کے رکھ دیں اس نے، میں تو حیران رہ گئی۔ ننھے ننھے ہاتھ کیا کام کر لیتے ہیں؟"

"واہ یہ تو بہت اچھا ہوا اب بول سکینہ کیا کہتی ہے اس کے بارے میں؟"

"اب تو یہ میری زندگی ہے، میرے ساتھ ہی رہے گی۔" سکینہ نے پیار سے بچی کو دیکھتے ہوئے کہا اور بچی مسکرا دی۔

"لے یہ آج کی کمائی۔" سکندر نے ۳۵ روپے بیوی کے ہاتھ میں رکھتے ہوئے کہا۔۔۔ اور بیوی کہنے لگی۔



"اللہ تیرا شکر ہے اگر اس طرح کی کمائی ہوتی رہی تو ہمارے دن پھر جائیں گے۔"

"یار سکینہ لگ رہا ہے کچھ لگ رہا ہے۔" سکندر مسکراتا ہوا بولا۔ اور بات غلط نہیں تھی۔ حیرت انگیز طور پر سکندر کے پاس فال کھلوانے والوں کی تعداد بڑھتی جا رہی تھی۔ چار پانچ دن ہو چکے تھے رانی کو گھر میں آئے ہوئے اور اس کے قدم ایسے مبارک ثابت ہو رہے تھے کہ سکندر کی آمدنی روز روز بڑھتی جا رہی تھی۔ پانچویں دن تو کمال ہی ہو گیا۔ دوپہر کا وہی وقت تھا اور سکندر ابھی تین چار گاہکوں کو نمٹا کر فارغ ہوا تھا کہ وہی نیلی کار آ کر سکندر کے بالکل قریب رکی اور سکندر نے ان بیگم صاحبہ کو پہچان لیا جو سو روپے کا نوٹ دے گئی تھیں۔ سکندر جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ آج بیگم صاحبہ کے ساتھ تین چار افراد اور بھی تھے۔ بیگم صاحبہ گاڑی سے اتریں۔ ان کے ساتھ ایک بزرگ بھی تھے جن کے بال سفید تھے نیچے اترے اور بیگم صاحبہ سکندر کے پاس پہنچ گئیں۔

"شاہ جی آپ سے کچھ بات کرنی ہے تھوڑا سا وقت دے سکیں گے۔" بیگم صاحبہ نے کہا۔

"جی حضور بات کیجئے، مائی باپ۔"

"شاہ جی آپ یہ بتائیے کہ یہاں سے کس وقت فارغ ہو جاتے ہیں آپ؟"

"بس بیگم صاحب کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہے جب بھی اللہ تعالیٰ رزق عطا کر دیتا ہے سامان سمیٹ لیتے ہیں۔"

"کہاں رہتے ہیں آپ؟"

"بس تھوڑے فاصلے پر ہی، یہ سڑک جہاں ختم ہوتی ہے وہاں سے الٹے ہاتھ پر مڑتے ہیں تو ایک کچی بستی پھیلی ہوئی ہے اسی میں ہماری جھونپڑی ہے۔"

"سکندر شاہ صاحب اب آپ یہ بتائیے کہ کیا آپ ہمیں ہمارے ساتھ چل کر تھوڑا سا وقت دے سکیں گے؟"

"ساتھ چل کر؟"

"ہاں۔"

"چلنا کہاں ہو گا بیگم صاحب جی؟ اور کام کیا ہے۔"

"یہ آپ کو بعد میں بتائیں گے۔"

"دیکھیے اگر کوئی فال وغیرہ کا مسئلہ ہے تو آپ یہیں پورا کر لیجئے۔"

"نہیں فال کا مسئلہ نہیں ہے بس آپ کو چلنا ہے ہمارے ساتھ۔"

"آپ جیسے حکم کریں جی۔"

"اگر ابھی وقت نکال لو تو کیسا رہے گا؟"

"یہ سامان ہے ہمارے ساتھ۔"

"میاں چھوڑو سامان یہاں چھوڑ دو' کون لے جائے گا' ایک آدھ گھنٹے میں تمہیں فارغ کر دیں گے۔" سفید بالوں والے بزرگ نے کہا۔

"نہیں صاحب یہ معصوم پرندے یہاں نہیں چھوڑے جاسکتے' باقی سامان کی ہمیں پرواہ نہیں ہے۔"

"اچھا تو پھر ایسا کرو تم ہمیں ٹائم بتا دو' سامان جب گھر واپس چھوڑ آؤ تو اس جگہ آ جانا' بہت ضروری کام ہے اور بے فکر رہو۔ تمہارا نقصان نہیں ہوگا۔"

"ٹھیک ہے۔" سکندر نے گردن ہلا کر کہا۔

"تم صورت سے پریشان نظر آ رہے ہو۔ اگر تمہارے دل میں کوئی ایسا ویسا خیال ہے تو دل سے نکال دو۔"

"نہیں صاحب۔ اللہ مالک ہے۔" سکندر نے بادل ناخواستہ کہا اور اپنا سامان سمیٹنے لگا۔ پھر وہ گھر پہنچ گیا۔ سکینہ نے حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"ارے خیریت کچھ طبیعت خراب ہوگئی کیا؟"

"نہیں۔ ٹھیک ہوں۔ ابھی جا رہا ہوں۔ بعد میں تمام بات بتاؤں گا۔"

"کہیں جا رہے ہو؟"

"ہاں۔ واپس آکر تمہیں بتاؤں گا۔" سکندر نے کہا پھر گھر سے نکل آیا۔

نیلی کار اسی جگہ اس کے انتظار میں کھڑی ہوئی تھی۔ جہاں وہ چھوڑ گیا تھا۔ نہ جانے یہ لوگ اس سے کیا چاہتے ہیں۔ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ بارہا سکندر شاہ نے ایسے خواب دیکھے تھے۔ دنیا میں اس کا کوئی نہیں تھا۔ بے چاری سکینہ تھی اور بے کسی کی جو زندگی وہ دونوں گزار رہے تھے بس دل میں تو نجانے کیا کیا آرزوئیں تھیں۔ سکندر شاہ اکثر ایسے خواب دیکھتا تھا کہ کوئی آیا۔ اس نے پیار سے سکندر شاہ کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ نہیں سکندر شاہ تم اکیلے نہیں ہو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ پھر سکندر شاہ کے دن بدل جاتے تھے۔ لیکن بس یہ خواب ہی ہوتا تھا۔ اسے پوری طرح احساس تھا کہ سکینہ کے دل کی ایک بھی آرزو پوری نہیں ہوئی۔ ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی میں بہت برا وقت گزرتا تھا۔ بارش ہو' سرد ہوائیں ہوں کوئی بچت کا انتظام نہیں تھا دال روٹی ہی پوری ہو جائے تو یہ بہت بڑی بات تھی۔ لیکن بہرحال اس وقت ان لوگوں کی یہ دلچسپی اسے



زدہ کئے ہوئے تھی۔ جب وہ قریب پہنچا تو عمر رسیدہ شخص نے کہا۔

"شاہ صاحب۔ گاڑی میں بیٹھ جائیے۔"

"مم۔ مگر حضور آپ مجھے کہاں لے جا رہے ہیں۔" سکندر شاہ نے کہا۔

"گھبرایئے نہیں آپ آرام سے اندر بیٹھ جائیے۔" سکندر شاہ گاڑی میں بیٹھ تو گیا لیکن دل کی حالت تھی۔ اس سے پہلے کبھی اتنی خوبصورت کار میں نہیں بیٹھا تھا اپنے میلے کچیلے کپڑوں سے ندہ ہو رہا تھا۔ لیکن وہ لوگ بہت بڑے دل والے تھے۔ اور کار بھی ایک بڑی کوٹھی میں ہی ں ہوئی تھی۔ کیا شان تھی ان کوٹھیوں کی۔ سکندر شاہ نے کئی بار سوچا تھا کہ پتا نہیں یہ اندر سے ں ہوتی ہوں گی۔ آج پہلی بار اس نے ایسی ایک کوٹھی اندر سے دیکھی تھی۔ بہت بڑے ڈرائنگ م میں اتنا موٹا قالین بچھا ہوا تھا کہ پاؤں اس میں دھنستے جا رہے تھے لیکن وہ لوگ بھی کمال کے ے تھے۔ سکندر شاہ نے جوتے اتارنے کی کوشش کی تو بیگم صاحبہ نے کہا۔

"ارے نہیں شاہ صاحب۔ آ جائیے یہ قالین آپ کے جوتوں سے زیادہ قیمتی نہیں ہے۔"

ر شاہ نے اپنے پھٹے ہوئے جوتوں کو دیکھا اور ان الفاظ سے شرمندہ ہو گیا۔

"بیگم صاحب جی آپ مجھے۔"

"نہیں کچھ نہیں سکندر شاہ تم ہمارے ایک معزز مہمان ہو۔ پھر انہوں نے اسے ایک صوفے پر دیا۔ بیگم صاحبہ اور عمر رسیدہ شخص اس کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔ تب عمر رسیدہ شخص نے کہا۔

"بھئی شاہ صاحب۔ میرا نام مرزا عظیم بیگ ہے اور یہ میری بیگم نصرت جہاں ہیں۔ بس ایسے ہی دن کسی کام سے نکلی تھیں ایک پریشانی لاحق تھی ہم لوگوں کو۔ ان کا کہنا ہے کہ آپ نے ان کی انی کا حل پیش کر دیا۔ یہ تو آپ کی دل سے معتقد ہو گئی ہیں اور ہم بھی جانتے ہیں کہ جو اللہ والے تے ہیں وہ اپنی نمائشیں نہیں کرتے۔ محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے ہیں۔ آپ نے جو نشاندہی تھی وہ پوری ہوئی اور ہم ایک بہت بڑی مشکل سے بچ گئے۔ ہمارا بیٹا شکیل بیگ ہے گھر کی ایک ہ سے محبت کرنے لگا ہے۔ کافی دن تک ہم سے کہتا رہا کہ اس سے اس کی شادی کر دی جائے ں آپ سمجھتے ہیں شاہ صاحب کہ ملازماؤں سے شادی نہیں کی جاتی۔ چنانچہ ہم تیار نہیں ہوئے۔ ں تک کہ وہ اس ملازمہ کے ساتھ فرار ہو گیا۔ اگر وہ نکل جاتا کہیں اور تو آپ یقین کریں ہم تو کسی نہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔ مگر آپ نے محبت کی نگاہ کی ہم پر اور ان کا پتا بتا دیا۔ ہم نے فوراً وہاں پہنچ کر چھاپہ مارا اور دونوں وہاں مل گئے۔ بس آپ یہ سمجھ لیجئے شاہ صاحب کہ آپ نے ی آبرو بچالی ہے۔ ورنہ دو کوڑی کے ہو جاتے ہم۔ ہمارے دشمن ویسے ہی ہمارے پیچھے لگے

ہوئے ہیں اور وہ ہمیں شدید نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ شاہ صاحب آپ کو اللہ کا واسطہ ہماری مد
کیجئے۔ ہم جانتے ہیں آپ جیسے لوگ کسی کا احسان قبول نہیں کرتے۔ لیکن اگر کوئی مجبور آپ کے
سامنے اپنا دامن پھیلائے تو آپ جیسے بزرگوں کو انکار بھی نہیں کرنا چاہیے۔" سکندر شاہ ہنس پڑا پھر
بولا۔

"پتا نہیں آپ لوگ مجھے کیا سمجھ رہے ہیں۔ آپ یقین کیجئے قصور میرا نہیں ہے۔ بس طوطے
نے فال نکالا اور آپ کا کام بن گیا۔ فال کے لفافے میں جو کاغذ نکلا وہ میرا لکھا ہوا بھی نہیں تھا۔ بات
خود میری سمجھ میں نہیں آئی لیکن خوشی کی بات یہ ہے کہ آپ کا کام بن گیا۔ بس میرا دل بھی اس
بات سے خوش ہے۔ اب بتائیے میں آپ کی اور کیا خدمت کر سکتا ہوں۔ آپ مجھے یہاں کیوں لائے
ہیں۔"

"ویسے تو شاہ صاحب آپ نے ہمارے لئے جو کچھ کیا ہے۔ اس کے صلے میں ہم آپ کو لاکھوں
روپے کی دولت دے سکتے ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ ایمان والے دولت سے دلچسپی نہیں رکھتے۔
میں نصرت بیگم سے یہ ہی کہہ رہا تھا کہ آپ ہمارا دیا ہوا قبول نہیں کریں گے تم دیکھ لینا۔ لیکن شاہ
صاحب ہماری اور بھی مشکلات ہیں اور ہم آپ کی مدد چاہتے ہیں۔" سکندر شاہ کے تو ہوش اڑ گئے
تھے۔ یہ لوگ لاکھوں کی بات کر رہے تھے۔ سکندر شاہ نے اپنی زندگی میں کبھی ایک ہزار روپے اکٹھے
نہیں دیکھے تھے۔ بہرحال اس کی زبان بند ہو گئی تو مرزا عظیم بیگ نے کہا۔

"ہمارے گھر پر ایک منحوس سایہ منڈلا رہا ہے۔ شاہ صاحب میری ایک بیٹی کسی جادو کے زیر اثر
ہے۔ اس کی حالت دیکھیں گے تو آپ کا دل خود دکھنے لگے گا۔ شاہ صاحب میں آپ کے قدموں کی
برکت چاہتا ہوں۔ میری آرزو ہے کہ آپ میری اس کوٹھی میں منتقل ہو جائیں۔ ہماری انیکسی میں
آپ کے قیام کا معقول بندوبست رہے گا۔ آپ جیسے لوگوں کی برکت حاصل ہو جائے تو سارے دلدر
دور ہو جاتے ہیں۔"

"مگر بات تو سنئے۔"

"نہیں شاہ صاحب۔ آپ اگر زیادہ اعتراض کریں گے تو میں آپ کے پاؤں پکڑ لوں گا۔ آپ کو
قسم ہے کہ آپ انکار نہ کریں۔ نجانے کیوں دل گواہی دیتا ہے کہ آپ کے آنے سے ہماری مشکل
دور ہو جائے گی۔"

"میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔"

"بس آپ حامی بھر لیجئے۔ باقی جو اللہ کا حکم ہو گا وہ ہو جائے گا۔ مرزا عظیم بیگ کچھ اس طرح



یے پڑے کہ سکندر شاہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اب وہ کیا کرے۔ بحالت مجبوری تیار ہونا پڑا تھا۔
انکہ سکینہ سے بھی بات نہیں کی تھی۔ لیکن جو کچھ یہ کہہ رہے تھے وہ اگر ہو جائے تو کیا ہی بات
ے۔ لیکن سکندر شاہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ ظاہر ہے وہ کچھ بھی نہیں ہے۔ ان لوگوں کو اس سے
سی ہی ہو گی۔ ایک کام اتفاقیہ طور پر ہو گیا ہے تو یہ لوگ اس سے متاثر ہو گئے ہیں۔ بعد میں جب
یں پتا چلے گا کہ سکندر شاہ تو ایک بیکار سا آدمی ہے تو وہ اسے نکال باہر کریں گے اور اس نے یہ
اظ کہہ بھی دیئے۔ مرزا صاحب ہنسنے لگے پھر انہوں نے کہا۔

"اگر ایسا ہو گا بھی سکندر شاہ صاحب تو آپ یقین کیجئے آپ کی عزت میں کمی نہیں آئے گی۔"

"آپ جیسا بہتر سمجھیں میں نے تو آپ کو ساری بات بتا دی ہے۔ بھائی میں تو کچھ بھی نہیں
ں۔ بس یہ آپ کے سوچنے کا فرق ہے۔"

"بس ڈر لگتا ہے اور نجانے کیوں یہ آرزو دل میں ابھرتی ہے کہ آپ کے قدموں کی برکت
ری مشکل دور کر دے گی۔"

"ٹھیک ہے یہ آپ کا معاملہ ہے میرا کوئی قصور نہیں ہو گا۔ یہ میں نے آپ کو اچھی طرح بتا دیا
ے۔" بہرحال سکندر شاہ تیار ہو گیا۔ سکینہ نے سنا تو حیران رہ گئی وہ بولی۔

"سکندر شاہ اپنی اس جھونپڑی کو ایسے ہی تالا لگا دینا۔ کل کے دن جب بے عزتی کے ساتھ
ری واپسی ہو گی تو کم از کم سر چھپانے کا ٹھکانہ تو ہو گا۔"

"میں کیا کروں۔ میں نے تو بہت منع کیا ہے ان لوگوں کو مگر یہ مانتے ہی نہیں۔" بہرحال سکندر
کوٹھی کی انیکسی میں آ گیا۔ یہ انیکسی تو ایک محل کی مانند تھی کم از کم سکندر شاہ جیسے لوگوں کے
ے۔ رانی کو بھی ساتھ لے آیا گیا تھا۔ سکینہ تو اسے دیکھ کر خوشی سے پاگل ہو گئی۔ مرزا صاحب بہت
ے آدمی تھے۔ پھر شکیل بیگ اور اس لڑکی رخسانہ کو بھی دیکھا گیا۔ ابھی تک ان کا مسئلہ الجھا ہوا
۔ ادھر مرزا صاحب تھے کہ سکندر شاہ کو اپنی ناک کا بال بنائے ہوئے تھے۔ ایک شام انہوں نے
ندر شاہ سے پوچھا۔

"اس لڑکے کا کیا کیا جائے شاہ۔ آپ یہ تو بتائیے؟"

"چھوٹا منہ بڑی بات ہو گی جناب۔"

"نہیں۔ آپ کہئے تو سہی کیا کریں؟"

"دیکھئے۔ اللہ کی سب مخلوق ایک جیسی ہوتی ہے۔ آپ نے مجھ جیسے غریب آدمی کو اس قدر
ت دی ہے تو اس بچی کو بھی اپنے گھر کی عزت بنا لیجئے۔ اللہ عزت دینے والوں کو عزت دیتا ہے۔"

مرزا صاحب سوچ میں ڈوب گئے تھے۔ پھر انہوں نے بیگم صاحبہ سے بات کی۔ آخر کار یہ طے ہوا کہ
ان دونوں کی شادی کر دی جائے اور سادگی سے دونوں کا نکاح کر دیا گیا۔ مرزا شکیل بیگ نے تو سکند
شاہ کے قدموں میں سر رکھ دیا تھا۔ اس نے کہا۔

"شاہ صاحب جو سنا تھا وہ ہی پایا۔ آپ کے قدموں کی برکتوں کا آغاز ہو گیا۔ اگر میرے ماں باپ
میری شادی رخسانہ سے نہ کرتے تو اب کی بار میں نے قسم کھالی تھی کہ میں اور رخسانہ زہر کھا کر خو
کشی کر لیں گے۔" سکندر شاہ خوش تھا اور یہاں بڑے عیش و آرام کی گزر رہی تھی۔ البتہ ابھی تک
مرزا صاحب نے اپنی بیٹی کو سکندر شاہ کو نہیں دکھایا تھا۔ جس کی چیخیں کبھی کبھی سکندر شاہ اور سکینہ
کو پریشان کر دیتی تھیں۔ بڑی دردناک چیخیں ہوا کرتی تھیں سکندر شاہ نے ایک دن خود ہی پوچھ لیا۔

"آپ نے اپنی بیٹی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا ابھی تک؟"

"بس نظر کرم کا منتظر تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ شاہ صاحب کبھی خود ہی اس بدنصیب کے بارے
میں بھی سوال کریں۔"

"اسے کیا ہوا ہے۔"

بس اگر آپ مناسب سمجھیں تو دیکھ لیں کسی وقت۔"

"آپ کی مرضی ہے۔ دکھا دیجئے گا۔" سکندر شاہ نے کہا۔

دل میں وہ جو کچھ سوچ رہا تھا وہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ بھلا اس سلسلے میں کیا
کر سکتا ہے۔ اس کی اوقات ہی کیا لیکن بھرم قائم رکھنا ضروری ہے اور کچھ نہیں تو ہمدردی کے دو
بول ہی کہہ دے گا۔ یہ بے چارے تو اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں چاہتے تھے۔ بہرحال پھر تین چار
دن گزر گئے اور اس سلسلے میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ لیکن ایک دن صبح ہی صبح نصرت بیگم گھبرائی ہوئی
سکندر شاہ کی انیکسی میں پہنچیں اور بولیں۔

"شاہ صاحب۔ ذرا آپ آیئے میرے ساتھ۔"

"اللہ جانے۔ خیریت ہے کہ نہیں۔"

"کیا بات ہے چلئے۔۔۔" سکندر شاہ نے کہا اور بیگم صاحبہ کے ساتھ کوٹھی میں چلا گیا۔ بیگم
صاحبہ اسے لئے ہوئے ایک کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچیں۔ دروازہ بند تھا۔ لیکن
دروازے کے باہر جو کچھ نظر آ رہا تھا وہ سکندر شاہ کے لئے باعث حیرت تھا۔ ایک بڑی سی تھالی میں
کالی بلیوں کے دو سر کٹے ہوئے رکھے تھے۔ قریب ہی ایک بڑی سی کلیجی جو شاید بکرے کی تھی رکھی
ہوئی تھی اور اس کے برابر ہی کچے چاول موجود تھے جن پر ہلدی سے نقش و نگار بنائے گئے تھے۔ مرزا



ب بھی وہیں موجود تھے۔ شکیل بیگ بھی تھا اور سب خوفزدہ نگاہوں سے ان چیزوں کو دیکھ رہے

"یہ کیا ہے؟" سکندر شاہ نے پوچھا۔

"بس یہاں رکھا ہوا ملا ہے۔ بتایئے کیا کریں؟"

"یہ تو بڑی گھناؤنی چیزیں ہیں۔"

"شاہ صاحب۔ کبھی کبھی یہاں دروازے پر خون کے دھبے بھی دیکھے جاتے ہیں۔ ہم تو سخت
ن ہیں۔ ایک بار ہم نے اس دروازے پر خون سے لکھا ہوا ایک تعویذ جیسی چیز بھی دیکھی
"

"دروازے کے دوسری طرف کیا ہے۔" "اس کمرے میں فرحت جہاں رہتی ہے۔"

"فرحت جہاں کون ہے؟"

"ہماری بیٹی۔"

"اوہ۔ اچھا تو پھر پہلا کام تو میں یہ کرتا ہوں کہ اسے اٹھا کر باہر پھینکے آتا ہوں۔"

"شاہ صاحب۔ سوچ سمجھ کر ہاتھ لگایئے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ جادو کی چیزیں ہیں۔"

"آپ فکر نہ کیجئے۔" سکندر شاہ نے کہا اور اللہ کا نام لے کر طشت اٹھا لیا۔ اس گھناؤنی چیز کو
وئے وہ باہر پہنچا اور پھر کوٹھی سے کافی فاصلے پر ایک کوڑا گھر میں ساری چیزیں پھینک دیں۔ وہ
اس کا انتظار کر رہے تھے۔ سکندر شاہ ہاتھ دھو کر وہاں پہنچ گیا پھر بولا۔

"اب ذرا میں فرحت جہاں کو بھی دیکھ لوں۔"

"آیئے۔ بیگم صاحبہ نے کہا اور دروازہ کھول کر سب لوگ اندر داخل ہو گئے۔ مسہری پر ایک
رت سی دبلی پتلی لڑکی لیٹی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ سخت بیمار ہے۔
وبصورت لڑکی تھی۔ لمبے لمبے سیاہ بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس وقت ہوش و حواس میں تھی۔
ں سے بولی۔

'کیا بات ہے امی۔ کیا بات ہے ابو۔ خیریت' یہ کون صاحب ہیں؟"

'بیٹی ان کا نام سکندر شاہ ہے۔"

'کیسے آنا ہوا ہے؟"

'تم سے ملنے آئے ہیں۔" وہ افسوس بھرے انداز میں بولی۔

'افسوس شاہ صاحب! میں اٹھ نہیں سکتی۔ میرا بدن مفلوج ہے۔"

"مفلوج ہے۔" سکندر شاہ نے کہا۔

"ہاں۔ اس کا پورا بدن مفلوج ہے۔ بس کیا کریں۔ کیا بتائیں۔ دنیا بھر کے ڈاکٹروں کو دکھا چکے ہیں۔ ڈاکٹر عجیب ہی بات کہتے ہیں۔"

"کیا کہتے ہیں؟"

"ان کا کہنا ہے کہ بدن پر فالج کے اثرات نہیں ہیں۔ پورا بدن صحیح کام کرتا ہے۔ لیکن بچی ب اپنی جگہ سے جنبش بھی نہیں کر سکتی۔

"ہونہہ۔ اللہ اسے شفاء عطا کرے گا۔" سکندر شاہ نے کہا تھوڑی دیر تک وہ فرحت جہاں سے باتیں کرتے رہے۔ وہ بڑی مایوسی کی باتیں کرتی تھی۔ بالآخر سب باہر نکل آئے۔ سکندر شاہ نے کہا۔

"آپ کو کسی ایسے آدمی پر کوئی شبہ نہیں ہے جو اس بچی کے ساتھ یہ سلوک کر سکتا ہے؟"

"اللہ ہی بہتر جانے۔ اب تو ہم مایوس ہو گئے ہیں۔"

"خیر مایوسی کفر ہے۔ آپ بھی دعا کیجئے۔ میں بھی دعا کروں گا۔ بعد میں سکندر شاہ نے سکینہ ک ساری تفصیلات بتائیں تو سکینہ خوف سے بولی۔

"یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اگر اس گھر پر آسیب کا سایہ ہے تو کہیں ہم لوگ بھی متاثر ن ہوں؟"

"کیسی بیوقوفی کی باتیں کر رہی ہو۔ اللہ کا نام لو۔ اس بچی کے لئے دعائیں کرو۔"

"یہ تو ٹھیک ہے۔" سکینہ نے کہا اور تھوڑے ہی فاصلے پر بیٹھی ہوئی رانی پر اس کی نظر اٹھ گئی۔ رانی کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی اور اس کی آنکھوں میں ایک پراسرار چمک نظ آ رہی تھی۔ سکینہ خوفزدہ ہو گئی۔ کوشش کے باوجود اس کی زبان نہیں کھل سکی تھی۔ لیکن رانی اس طرح مسکرانا اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

پھر اسی رات سکندر شاہ کے ساتھ بھی ایک واقعہ پیش آیا۔ جس پر وہ شدید حیران ہو گیا۔ رات ن تھا۔ وہ اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔ ایک بستر پر بیوی تھی۔ دوسرے پر وہ اور درمیانی بستر پر سو رہی تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ سکندر شاہ کی آنکھ کھل گئی اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ پنے بستر پر اٹھی بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ کیا بات ہے بیٹی کوئی تکلیف ہے۔ لیکن ت رانی اپنی جگہ سے نیچے اتری اور دبے قدموں دروازے کی جانب چل پڑی۔ سکندر شاہ کی ملق میں بند ہو گئی۔ رانی دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی۔ سکندر شاہ پھرتی سے اپنی جگہ سے ٹھا اور پھر وہ بھی کھلے ہوئے دروازے سے باہر نکل آیا۔ رانی انیکسی کے دروازے سے باہر جا ئی۔ سکندر شاہ چھپ کر اس کا پیچھا کرنے لگا۔ اس بچی کو آخر اس وقت رات کو ایسا کیا مسئلہ گیا۔ رانی آگے بڑھتی رہی۔ کوٹھی کے بغلی حصے میں ایک خوبصورت لان بنا ہوا تھا۔ باہر چاندنی وئی تھی اور لان پر حسین پھول لہلہا رہے تھے۔ رانی ان پھولوں کے پاس پہنچ گئی۔ سکندر شاہ ں کی آڑ میں چھپ کر اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ پھولوں کے قریب پہنچ کر رانی رک گئی اور پھر وہ سے باتیں کرنے لگی۔ اس کی باتیں کرنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ ہنس بھی رہی قہقہے لگا رہی تھی اور بہت خوش نظر آ رہی تھی لیکن جس سے وہ باتیں کر رہی تھی وہ نظر نہیں ا۔ سکندر شاہ کے اوسان خطا ہونے لگے۔ رانی تقریباً آدھے گھنٹے تک وہاں کھڑی رہی اور اس

کے بعد اس نے زور سے خدا حافظ کہا اور واپسی کے لئے پلٹی۔ اس وقت وہ بہت شوخ اور کھلنڈ معلوم ہو رہی تھی۔ ویسے تو خاموش ہی رہتی تھی لیکن اس وقت اس کے چہرے پر بہت ا تاثرات نظر آ رہے تھے۔ پھر اچانک وہ اپنی جگہ رکی۔ سکندر شاہ سے اس کا فاصلہ زیادہ نہیں اس نے آواز لگائی۔

"شاہ بابا۔ باہر نکل آیئے۔ ہم نے آپ کو دیکھ لیا ہے۔" سکندر شاہ اچھل پڑا۔ رانی اسے آواز دے رہی تھی اور اس نے اسے پہلی بار شاہ بابا کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ سکندر اپنی جگہ سے نکل آیا۔ رانی اسے دیکھ کر ہنس رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"آپ ہمارے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہے تھے ناں۔ درختوں کے پیچھے چھپ چھپ کر آ تھے۔"

"تت۔ تمہیں کیسے معلوم؟"

"بس ہم نے دیکھ لیا تھا آپ کو۔"

"مگر بیٹی تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

"بس کھیلنے آئی تھی۔"

"کس کے ساتھ کس سے باتیں کر رہی تھیں؟"

"آیئے میں آپ کو ایک بات بتاؤں۔" رانی نے کہا۔ سکندر کی بات کا اس نے کوئی ج نہیں دیا تھا۔

"کیا بات ہے بیٹا۔"

"آیئے۔ ادھر آیئے۔" وہ بولی اور اس نے سکندر شاہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر وہ اسے لئے کوٹھی کے ایک گوشے کے پاس پہنچی یہ کوٹھی کی دیوار کا ایک کونہ تھا۔ اس نے ایک طرف اش کے کہا۔

"یہ چھوٹا سا درخت ہے ناں۔ آپ اسے اکھاڑ کر پھینک دیں گے اور اس کے نیچے کرائیں گے۔ یہاں سے جو کچھ بھی نکلے گا ناں۔ آپ اسے بعد میں جلا دیں گے۔ اب ادھر آ وہ سکندر شاہ کو لے کر کوٹھی کے دوسرے کونے پر پہنچ گئی۔ پھر اسی طرح اس نے چاروں دکھائے اور اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں اس کے خیال کے مطابق کوئی چیز دفن تھی۔ سکندر ش حیران نظر آ رہا تھا۔ بچی نے کہا۔



"آپ آیئے۔ کل آپ یہ کام کر لیجئے۔"

"مم۔ مگر بیٹی کیوں؟" جواب میں رانی نے اسے ایسی نگاہوں سے دیکھا کہ سکندر شاہ کانپ کر رہ ۔ پھر اس کے بعد رانی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ لیکن سکندر شاہ واپس آنے کے بعد ساری ت نہیں سو سکا تھا۔ رانی تو اپنے پلنگ پر لیٹ کر آرام سے چادر اوڑھ کر سو گئی تھی۔ لیکن سکندر ا کے ہوش و حواس رخصت تھے۔ کیا نکلے گا اس جگہ سے۔ کیا قصہ ہے۔ ساری رات وہ سوچتا رہا ۔ پھر اسے خیال آیا کہ ایسی باتیں سب کو بتائی نہیں جاتیں۔ سکینہ کو بتائے گا تو وہ اور زیادہ خوفزدہ جائے گی۔ لیکن رانی کی طرف سے اس کے دل میں عجیب سے خیالات پیدا ہو رہے تھے۔ البتہ یہ سوچ رہا تھا کہ یہ بچی جب سے آئی ہے تقدیر میں روشنی ہی روشنی ہوتی جا رہی ہے۔ اس نے وشی اختیار کر لی۔ لیکن اپنے دوسرے دن کے کام کے لئے وہ بے حد مستعد تھا اور اس دن وہ خود ا صاحب کے پاس پہنچا تھا۔ عظیم بیگ اس سے بڑی انسیت کرنے لگے تھے۔ انہوں نے سکندر کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"آیئے شاہ جی۔ خیریت۔ کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"

"نہیں اللہ کا شکر ہے۔ ایک بات کہنا چاہتا ہوں آپ سے اگر آپ اس کے بارے میں مجھ سے ات نہ کریں؟"

"ہاں ہاں کہئے۔ کیا بات ہے۔" مرزا صاحب نے سوال کیا۔

"مجھے دو آدمی چاہئیں۔ ایسے جو آپ کے اپنے رازدار ہوں اور کسی بھی بات کا نہ تو کوئی سوال ں اور نہ ہی اس کا جواب دیں۔"

"ملازموں میں سے کسی کو لے لیا جائے گا۔ مگر کام کیا ہے۔"

"میں آپ سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ صرف کام کرنا ہے۔ آپ چاہیں تو میرے ساتھ آ ہیں۔ پوچھیں گے نہیں آپ اس بارے میں۔ پہلے اس کا وعدہ کر لیجئے۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر آپ بہتر سمجھتے ہیں۔ تو جیسا آپ مناسب سمجھیں۔" پھر اس کے بعد سکندر نے اپنے کھیل کا آغاز کر دیا۔ کام اسی انداز میں کر رہا تھا جس طرح اسے ہدایت کی گئی تھی۔ لیکن بارے کو خود بھی نہیں معلوم تھا کہ اس ہدایت کا کیا مطلب ہے۔ البتہ رہ رہ کر اس کے دل میں کا خیال ضرور آ رہا تھا۔ وہ یقینی طور پر کوئی مافوق الفطرت ہستی ہے۔ پہلے دن سے ہی یہ تمام باتیں کے ذہن میں آ جانی چاہئیں تھیں۔ لیکن اب وہ رفتہ رفتہ ان تمام باتوں کے بارے میں سوچ رہا

تھا۔ البتہ ایک بات پر اس کا دل پوری طرح مطمئن تھا۔ وہ یہ کہ اس نے رانی کے ساتھ اب تک
بہت اچھا سلوک کیا تھا۔ اس لئے رانی کے ذریعے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ بلکہ اگر غور کیا
جائے تو حقیقت یہ ہی تھی کہ رانی نے اسے جو عزت دلائی تھی وہ اس کی محبت کا اظہار ہی تھی۔
بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ اس وقت اسے ایک عجیب و غریب کام کرنا تھا جس کا مطلب خود اسے
بھی نہیں معلوم تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے اس نے ان آدمیوں سے کہا کہ ایک بڑا سا الاؤ جلایا جائے
اور اس میں خوب لکڑیاں ڈال کر اسے روشن کردیا جائے۔ تمام لوگ اس کام میں دلچسپی لے رہے
تھے۔ سکندر شاہ کے وہ دل سے قائل تھے۔ خود شکیل اور رخسانہ ادھر مرزا صاحب اور ان کی بیگم
سب کے سب سکندر شاہ کے ساتھ شامل ہو گئے تھے اور سکندر شاہ دل ہی دل میں ہنس بھی رہا تھا
جو کام وہ کر رہا ہے اگر اس کے بارے میں انہیں بتایا جائے کہ کیوں کر رہا ہے تو وہ خود بھی ہنسنے کے
علاوہ اور کچھ نہیں کر سکیں گے۔ لیکن بہرحال اب یہ ہی دیکھنا تھا کہ ہوتا کیا ہے الاؤ کوٹھی کے عقبی
حصے میں ایسی جگہ بنایا گیا جہاں سامنے سے دیکھنے والوں کی نگاہ نہ پڑے۔ چاروں طرف اینٹیں چن دی
گئیں اور ان کے درمیان سوکھی لکڑیاں کاٹ کر ڈال دی گئیں پھر مٹی کا تیل ڈال کر ان سوکھی
لکڑیوں میں آگ لگادی گئی اور اس طرح الاؤ جلنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد سکندر شاہ نے کہا۔

"اب تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔" کوٹھی کے عقبی حصے کے جو دو گوشتے تھے سکندر شاہ انہیں
ان میں سے ایک گوشے میں لے گیا اور ایک طرف اشارہ کر کے بولا۔

"یہاں کھدائی کرو۔" سب لوگ حیران تھے۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ لیکن وہ
جانتے تھے کہ شاہ صاحب کوئی ایسا کام کر رہے ہیں جو ان کے لئے فائدہ مند ہی ہو گا۔ انہیں سکندر
پر پورا پورا اعتبار تھا۔ ملازموں نے کھدائی شروع کر دی۔ سکندر شاہ اس کھدائی کی نگرانی کر رہا تھا
لیکن اس کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم تھا کہ اس کے نتیجے میں کیا برآمد ہو گا۔ کوئی ڈھائی
کھدائی کی گئی تھی کہ ملازموں نے ہاتھ روک لئے اور ان میں سے ایک نے کہا۔

"صاحب جی۔ یہاں تو ایک مٹکا گڑا ہوا ہے۔"

"مٹکا۔" مرزا صاحب بری طرح اچھل پڑے۔ سکندر شاہ نے کہا۔

"اس کے اردگرد مٹی احتیاط سے کھودو مٹکا ٹوٹنے نہ پائے۔"

"جی سرکار۔" ملازم بیچارے خود کچھ نہیں سمجھ پا رہے تھے۔ بہرحال کچھ دیر کے بعد وہ کو
نکال لیا گیا اور اسے سب نے غور سے دیکھا' مٹکے میں نجانے کیا کیا الم غلم بھرا ہوا تھا۔ ساتھ ہی



بنا ہوا ایک پتلا بھی تھا اور اس پتلے کے سر میں سوئیاں گڑی ہوئی تھیں۔ نصرت جہاں تو خوف سے
پ اٹھیں۔ انہوں نے کہا۔

"اے میرے مولا۔ یہ تو بالکل سفلی عمل معلوم ہوتا ہے جیسے لوگ کسی پر جادو کراتے ہیں۔"

"خاموش رہو' دیکھتی رہو۔ شاہ صاحب کیا کر رہے ہیں؟" مرزا صاحب نے کہا۔ سکندر شاہ نے
مٹکا اپنے ہاتھوں سے اٹھایا۔ اسے لئے ہوئے الاؤ کے پاس پہنچا اور اسے الاؤ میں ڈال دیا۔ وہ سب
ل الاؤ کے گرد جمع تھے اور پھر اچانک ہی انہیں جلتی ہوئی آگ سے عجیب سی چیخیں سنائی دیں۔
ٹی گھٹی انسانی چیخیں جیسے کوئی رو رہا ہو' کراہ رہا ہو۔ وہ سب خوف سے کانپنے لگے۔ خود سکندر شاہ
احب کی کیفیت بھی ان سے مختلف نہیں تھی۔ لیکن جو کچھ ہوا تھا اسے دیکھ کر اب ہمت بندھ گئی
ی کہ یقینی طور پر رانی نے کوئی ایسا ہی کام دکھایا ہے جو ابھی تو سمجھ میں نہیں آ رہا لیکن بعد میں سب
ی سمجھ میں آ جائے گا۔

اس کے بعد دوسرا' تیسرا اور چوتھا مٹکا بھی اسی انداز میں چاروں گوشوں سے نکالا گیا۔ سب پر
برتوں کے دورے پڑ رہے تھے۔ لیکن سکندر شاہ اب پر اعتماد ہو گیا تھا اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس
ا نتیجہ بہتر ہی نکلے گا اور نتیجہ بہتر ہی نکلا۔ چاروں مٹکے جب اس الاؤ میں جل گئے تو سکندر شاہ نے
ں پر بہت سی مٹی ڈلوا دی۔ حیرت کی بات وہ چیخیں تھیں جو چاروں بار ابھری تھیں۔ بس یوں
حسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کسی کو زندہ آگ میں جلایا جا رہا ہو اور جب یہ تمام کام مکمل ہو گیا تو سکندر
شاہ ان لوگوں کے ساتھ کوٹھی میں آ گیا۔ اس وقت نہ تو رانی پاس تھی اور نہ ہی سکینہ۔ وہ دونوں
نیکسی میں موجود تھیں۔ مرزا صاحب نے کہا۔

"شاہ صاحب! ہم نے صحیح پہچانا تھا آپ کو۔ اور یہ سارا کام بیگم صاحبہ کا ہے۔ نصرت جہاں
واقعی تقدیر اب ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرنے والی ہے۔"

"وہ لوگ اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ دروازے پر آہٹیں ہوئی اور اس
کے بعد جو کوئی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا اسے دیکھ کر سب کے منہ سے چیخیں نکل گئیں۔ یہ
فرحت جہاں تھی جو صاف ستھرے لباس میں ملبوس اندر رہی تھی۔ نصرت جہاں سے صبر نہ ہو سکا۔
اٹھیں اور بیٹی کی جانب لپکیں۔ فرحت جہاں بھی بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

"بیٹی تم ٹھیک ہو نا' تم اکیلی چل کر یہاں تک آ گئیں؟"

"امی' اب میں بالکل ٹھیک ہوں' میں بستر پر لیٹی ہوئی تھی کہ اچانک ہی میرے ہاتھ میں کھجلی

ہوئی۔ میں نے اپنا دوسرا ہاتھ اٹھا کر کھجلی کھجائی اس وقت میرے ذہن میں کوئی خیال نہیں تھا' لیکن اچانک ہی مجھے یہ احساس ہوا کہ میرا یہ ہاتھ تو جنبش کر رہا ہے۔ میں حیرت سے اچھل پڑی۔ پھر میں نے دونوں ہاتھ ٹکا کر اٹھنے کی کوشش کی اور امی میں اس میں کامیاب ہو گئی۔ پھر میرے پاؤں بھی میرا ساتھ دینے لگے اور پھر میں نے اپنی جگہ سے اٹھ کر غسل خانے میں غسل کیا' لباس وغیرہ پہنا' بال سنوارے' میرا دل خوشی سے دیوانہ ہو رہا تھا۔ میں آپ لوگوں کے پاس آ کر آپ لوگوں کو چونکا دینا چاہتی تھی۔ امی اللہ نے مجھ پر کرم کر دیا۔ میں ٹھیک ہو گئی امی میں ٹھیک ہو گئی۔" فرحت جہاں خوشی سے کہہ رہی تھی۔ مرزا صاحب کی آنکھوں سے بھی آنسو بہنے لگے۔ بھائی بھاوج' ماں باپ سب خوشی سے دیوانے ہو رہے تھے۔ مرزا صاحب واپس پلٹے اور انہوں نے سکندر شاہ کو سینے سے لگا لیا۔

"بیٹی یہ سب شاہ صاحب کی محبت اور ان کی عنایت ہے' اللہ نے ان کی شکل میں ایک فرشتہ ہمارے پاس بھیج دیا ہے اور اب ہمارے سارے دلدر دور ہو جائیں گے۔"

اور کوٹھی میں خوشیوں کا دور دورہ شروع ہو گیا' سکندر شاہ کو اب کافی سمجھ آ گئی تھی اس نے کہا۔

"دیکھئے فرحت جہاں ٹھیک ہو گئیں اور انشاء اللہ تعالیٰ اب کسی کا جادو ان پر کارگر نہیں ہو گا لیکن ہمیں ایک بات کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔"

"کیا شاہ صاحب آپ حکم دیجئے؟" مرزا صاحب نے پوچھا۔

"ابھی ہمیں اس شخصیت کا پتہ لگانا ہے جس نے یہ سب کچھ کیا تھا۔ آپ لوگوں نے دیکھ لیا کہ وہ سب کچھ کیا تھا اور یہ یقیناً خود بخود نہیں ہوا ہو گا' اس شخصیت کو ہمیں تلاش کرنا پڑے گا اور اس کے لئے میں سوچوں گا کوئی ایسا راستہ نکالوں گا جس سے یہ پتہ چل سکے۔"

"شاہ صاحب! اب تو یقین ہے کہ اللہ نے ہمارے دن پھیر دیئے ہیں آپ جیسا حکم دیں گے ہم ویسا ہی کریں گے۔"

"بس خاموشی سے اس خوشی کو برداشت کیجئے گا' بلکہ میری تو رائے ہے کہ فرحت جہاں کا کمرہ تبدیل کر دیں اور اگر ممکن ہو سکے تو انہیں اپنے کمرے میں ہی سلائیں' اکیلے کمرے میں انہیں نہ رہنے دیا جائے اور کسی کو یہ نہ بتایا جائے کہ یہ ٹھیک ہو گئی ہیں' کچھ دن تک انہیں صبر کرنا پڑے گا۔ دشمن کی تلاش ضروری ہے۔"

"جی شاہ صاحب بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔ ہم یہ سارا انتظام کئے لیتے ہیں اور اسی طرح کا اظہار



یں گے کہ ابھی ہم ویسے ہی فرحت جہاں کو اپنے کمرے میں لے آئے ہیں اور وہ بالکل ٹھیک ں ہے۔"

"یہی مناسب ہے۔" سکندر شاہ نے کہا اور کچھ دیر کے بعد وہ ان سے رخصت ہو کر واپس سی کی جانب چل پڑا۔ لیکن خود اس کے اپنے سر میں بھی کھجلی ہو رہی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ ! اس کام کو کیسے مکمل کیا جائے' میں خود تو یہ سب کچھ کرنے سے قاصر ہوں' بھلا میں کیا اور میری ات کیا بس تو میری مدد کر۔"

پھر وہ انیکسی میں داخل ہو گیا تھا' لیکن بستر پر لیٹنے کے بعد ہی اس کے دل میں یہی خیالات آتے ے' کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر پایا تھا اور سچی بات یہ ہے کہ رانی سے اسے بہت محبت تھی بلکہ اسے ں طرح اندازہ تھا کہ جس دن سے رانی اس کے پاس پہنچی اسی وقت سے اس کی تقدیر کے ستارے شروع ہو گئے۔ رانی اس کے لئے بڑی بھاگوان ثابت ہوئی تھی' لیکن رانی کی جو کیفیت تھی اس وہ خود بھی ڈرتا تھا' ایک عجیب سی شخصیت تھی رانی کی۔ اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ یہ اس سے براہ راست کوئی بات پوچھتے ہوئے اسے ڈر بھی لگتا تھا۔ ادھر سکینہ تھی۔ سیدھی ی معصوم سی عورت اس میں کوئی شک نہیں کہ بڑی وفادار اور زندگی کی بڑی گہری رازدار تھی' مجال کوئی بات ادھر سے ادھر ہو جائے' بہت سوچنے سمجھنے کے بعد اس نے سکینہ ہی سے اس سلسلے مشورہ کیا' رانی اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھی۔ اس نے سکینہ سے کہا۔

"سکینہ! کیسا لگ رہا ہے یہاں؟"

"سچ پوچھو تو بڑی حسرت ہوتی ہے سکندر کہ یہاں سے نکلنے کے بعد ہم اسی جھونپڑے میں چلے جائیں گے..... کیا زندگی ہے یہاں کی اور پھر یہ سارے لوگ کتنے اچھے ہیں' مگر بات وہی تو ہم کب تک ان کے سر پر پڑے رہیں گے؟"

"ٹھیک کہتی ہو بھاگوان' واقعی دوسرے کا احسان کب تک اٹھایا جاوے' یہ لوگ بھی کہیں گے کیسے بے غیرت لوگ ہیں آئے ہیں تو جانے کا نام ہی نہیں لیتے حالانکہ ابھی تو ایسا اندازہ ہو رہا ہے اگر ہم لوگ ان سے جانے کے لئے کہیں گے بھی تو یہ سختی سے انکار کر دیں گے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے سکندر' لیکن پھر بھی اپنی بھی تو کوئی عزت ہوتی ہے۔"

"تو ٹھیک کہتی ہے سکینہ' اچھا خیر اس وقت میں تجھ سے ایک مشورہ کرنا چاہتی ہوں۔"

"کیا بات ہے' کوئی خاص بات ہے کیا؟"

"ہاں۔"

"اللہ خیر کرے' کوئی مشکل والی بات تو نہیں ہے؟"

"ارے نہیں بالکل نہیں' میں یہی سوچ رہا تھا کہ رانی جب سے ہمارے پاس آئی ہے تقدیر کتنی اچھی ہو گئی ہے' کیا کیا عزت مل رہی ہے ہمیں ورنہ بھلا ہمارے یہ معصوم سے ہمارے لئے اس سے زیادہ اور کیا کرتے جو کرتے رہے ہیں۔" سکندر نے پیار سے طوطوا پنجرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا' پھر بولا۔

"ایک عجیب بات ہو گئی ہے۔"

"کیا؟"

"تمہیں معلوم ہے سکینہ کہ اعظم بیگ صاحب کی بیٹی معذور تھی؟"

"ہاں میں نے دیکھا ہے فرحت جہاں کو' ہائے کیسی جوان اور خوبصورت بچی ہے' مگر کم بسی سے پلنگ پر پڑی رہتی ہے' سکندر تمہارا کیا خیال ہے مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے اس بچی پر کچھ کرایا ہوا ہو۔"

"ایسی ہی بات ہے سکینہ۔"

"کیا واقعی؟"

"ہاں۔"

"تم اتنے یقین سے کیسے کہہ رہے ہو؟"

"رانی نے مجھے بتایا ہے۔"

"رانی نے؟"

"ہاں۔"

"کب کیسے؟" سکینہ نے حیرت سے منہ کھول کر سوال کیا اور سکندر شاہ اسے پوری را سنانے لگا' سکینہ کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔ پھر بولی۔

"تو تم نے وہ کام کرا دیا؟"

"ہاں سکینہ' زمین کی گہرائیوں سے کورے مٹکے برآمد ہوئے اور ان سے آٹے کے بنے پتلے۔"

"اللہ رحم کرے' یہ سفلی علم والے ایسا ہی کرتے ہیں' مگر اس بیچاری پر یہ سفلی علم کرا



،۔ یہ لوگ تو بہت اچھے ہیں؟"

"یہی میں سوچ رہا ہوں کہ دشمن کا پتہ لگنا چاہیے۔"

"اے سکندر ایک بات کہوں؟"

"ہاں ضرور کہو۔"

"دیکھو' دشمن ہمیشہ گھر میں ہی ہوتا ہے' سانپ آستین میں ہی پلتے ہیں۔"

"مطلب؟"

"تم خود دیکھو' یہاں بہت سے ایسے حرام خور ہیں جو بڑے صاحب کی روٹیوں پر ہی پل رہے ۔ بڑے صاحب اتنے نیک دل اور رحم دل ہیں کہ سبھی کا خیال رکھتے ہی' کئی رشتے ناطے دار رہتے ہیں۔"

"ہاں یہ تو مجھے معلوم ہے۔"

"میری مانو تو انہی میں سے کوئی ہو گا۔"

"اس کا پتہ کیسے لگایا جائے سکینہ؟"

"سکندر اگر تم پتہ لگا بھی لوگے تو تمہاری دشمنی نہیں ہو جائے گی ان سے؟"

"سو تو ہے' لیکن پتہ لگنا بھی ضروری ہے..... رانی سے تو اس سلسلے میں کوئی مشورہ نہیں کیا جا ا' مجھے تو بھائی سچی بات ہے اتنی پیاری بچی ہے کہ دیکھ کر آنکھوں میں ٹھنڈک اترتی ہے مگر اس بات کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے اور میری ہمت نہیں پڑتی کہ اپنے طور پر اس سے بات کروں۔"

"لو' تو میرا بھی تو یہی حشر ہے دل چاہتا ہے اسے خوب بناؤں سنواروں' اچھے اچھے کپڑے اؤں' چہرہ دھلاؤں' سرخی پاؤڈر لگاؤں' مگر دل مسوس کر رہ جاتی ہوں۔"

"خیر اس میں تو کوئی بات نہیں ہے' یہ تو تو اس کی خدمت کرے گی؟"

"سکندر شاہ واقعی بڑا دل چاہتا ہے۔"

"تو فکر مت کر' میں اس کے لئے کپڑے خرید کرلاؤں گا اور اسے بنائیں گے سنواریں گے ہم' اس وقت اس مسئلے کا حل تلاش کرو؟"

"ایک کام کرو' ایک کھیل کرو یہاں پر۔"

"کیا؟"

"یہ بات تو سبھی جانتے ہیں کہ یہ لوگ تمہیں شاہ صاحب سمجھ کر یہاں لائے ہیں اور بڑی

عقیدت رکھتے ہیں تم سے' تم بھی تھوڑے دن کے لئے شاہ صاحب ہی بن جاؤ۔" سکینہ مسکر
بولی۔

"کیسے؟"

"بس یوں کرو کہ الٹی سیدھی باتیں کرتے رہا کرو' جہاں تک اس دشمن کا پتہ لگانا ہے تو ایسا
کہ تھوڑی سی گاجریں خرید کر لاؤ اور انہیں چھیلو' بناؤ سنوارو' پھر یہ بتاؤ کہ یہ گاجریں پڑی ہوئی
اور گھر میں جتنے افراد ہیں انہیں ایک ایک گاجر کھانی ہوگی' جس نے فرحت جہاں پر جادو کرایا ہے ا
کا کلیجہ پھٹ جائے گا اور کلیجے کے ٹکڑے خون کی شکل میں منہ سے باہر آجائیں گے' بس ذرا د
ہے' اگر انہی میں سے کوئی ہے تو گاجر کھانے سے انکار کرے گا' بس سمجھو دشمن پکڑا گیا۔" سکن
شاہ حیرت سے سکینہ کو دیکھنے لگا پھر بولا۔

"ارے تیری کی..... تو تو بڑی چالاک نکلی بھئی۔ بات بڑی عمدہ ہے اور میرے دماغ میں بیٹھ
ہے' ارے واہ سکینہ زندہ باد' یہ لے دوپہر کے بعد ہی یہ کام کر ڈالتا ہوں' میں ذرا نکلتا ہوں گاجر
خریدنے کے لئے۔"

"تم لے آؤ۔ میں انہیں صاف ستھرا کر کے بنا دوں گی۔"

"میں نے وعدہ بھی کر لیا ہے مرزا صاحب سے' یہ بڑا اچھا ہوا چلتا ہوں۔" اور پھر سکندر ش
خوشی خوشی گھر سے باہر نکل گیا۔

❀❀❀



فرحت جہاں کو بہت عرصے کے بعد یہ خوشی نصیب ہوئی تھی' معذور پڑے پڑے مرجانے کو
ں چاہتا تھا۔ کیا کرتی بے بس تھی' کوئی ترکیب ہی کارگر نہیں ہو رہی تھی' کون کون سے علاج نہیں
را لئے' مگر اس کی حالت درست ہی نہیں ہوتی تھی' اب اتنے عرصے کے بعد اس کے ہاتھ پاؤں
نے کام کرنا شروع کیا تھا تو اس کے دل میں بہت سی خوشیاں مچل رہی تھیں' اعظم بیگم سے کہنے لگی۔

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا ابو' میں ٹھیک ہوگئی۔ لیکن مجھے اب بھی معذوروں کی طرح پڑے رہنا
رہا ہے' میں اپنی سہیلیوں کو فون کرنا چاہتی ہوں' میں انہیں بتانا چاہتی ہوں کہ دیکھو میں ٹھیک ہو
ئی' اب بھی کیا میں ایسے ہی پڑی رہوں گی؟"

"نہیں بیٹی' بس ذرا شاہ صاحب اجازت دے دیں' ان کا کہنا بھی ٹھیک ہے' دشمن پکڑا تو نہیں
یا ہے' بس وہ ہاتھ آجائے پھر دیکھنا میں اس کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں؟"

"مگر دشمن کب ہاتھ آئے گا؟"

"شاہ صاحب' ارے لو وہ شاہ صاحب آگئے۔" اعظم بیگ نے دور سے سکندر شاہ کو آتے
ئے دیکھ کر کہا۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور سامنے راہداری میں سکندر شاہ آتا ہوا نظر آرہا تھا'
ھ دیر کے بعد وہ قریب پہنچا اور کھلے ہوئے دروازے میں کھڑے ہو کر اس نے پوچھا۔

"مرزا صاحب میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔"

"شاہ صاحب! شرمندہ کرتے ہیں آپ ہمیں، اس گھر کے لئے آپ مسیحا بن کر آئے ہیں اور آپ اس طرح اجازت لے رہے ہیں بے دھڑک آیا جایا کریں، ہم سب آپ کے اپنے ہیں، آپ سے بڑا اور کون ہو سکتا ہے ہمارے لئے، عزت آبرو بچائی، بچی کی زندگی بچالی، اب بھی آپ اپنے آپ کو غیر کہیں گے۔"

"محبت ہے آپ کی اللہ کا شکر ہے کہ فرحت جہاں ٹھیک ہو گئیں، لیکن میرے دل میں ابھی خوف باقی ہے، اگر کسی دشمن نے یہ کارروائی کی ہے، جیسا کہ اندازہ ہو رہا ہے تو وہ دوبارہ تاک میں رہے گا، ہم ایک کھیل کھیلنا چاہتے ہیں اس کے لئے آپ سے اجازت درکار ہے۔"

"آپ ہمیشہ ہر طرح کی اجازت لئے بغیر کچھ بھی کر سکتے ہیں، اس کا اختیار دے رہا ہوں میں آپ کو۔" مرزا اعظم بیگ نے کہا۔

"بہت شکریہ..... تو یوں سمجھ لیجئے کہ میں نے کچھ کارروائی کی ہے تھوڑی سی گاجریں دم کی ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ پہلے حویلی میں رہنے والے ہر شخص کو آزمالیا جائے، ان سب کو جمع کیا جائے اور ایک ایک گاجر انہیں کھلائی جائے، جس نے یہ گندہ عمل کیا ہو گا اسے نقصان پہنچے گا اور اس کا کلیجہ کٹ کٹ کر منہ کے راستے باہر آجائے گا۔ یہ کام دم کے دم میں ہو جائے گا۔"

"ارے خدا انہیں غارت کرے جنہوں نے میری بچی کے ساتھ یہ سلوک کیا، لیکن فوراً ایسا کریں۔"

"ابھی لیجئے یہ کونسی بڑی بات ہے۔"

"شاہ صاحب گاجریں پڑھ لی ہیں آپ نے؟"

"ہاں سکینہ لا رہی ہوں گی۔"

"تھوڑی دیر کے بعد سکینہ بھی آگئی، گاجریں ایک بڑے سے طشت میں کپڑے سے ڈھکی ہوئی رکھی تھیں۔ اس کے بعد اعظم بیگ نے اپنے بیٹے کو اور بہو کو طلب کر لیا اور انہیں یہ ساری تفصیل بتائی۔

"میں ابھی ایک ایک فرد کو جمع کئے لیتا ہوں، گھر کے نوکر ہوں یا گھر میں رہنے والا کوئی بھی بلکہ آج تو سبھی گھر میں موجود ہیں کیونکہ چھٹی کا دن ہے۔"

"رات کے واقعے کا کسی کو پتہ تو نہیں چلا؟"

"اللہ بہتر جانتا ہے بظاہر تو کوئی ایسی بات نہیں ہے۔"



"ٹھیک ہے۔ ایک اور چھوٹا سا کھیل بھی کھیلیں گے تاکہ فرحت جہاں کا مسئلہ بھی حل ہو ئے۔"

"وہ کیا؟" اعظم بیگ نے پوچھا۔ اور سکندر شاہ پہلے سے طے کئے ہوئے پروگرام پر ان سے ہں کرنے لگا۔ اعظم بیگ نے کہا۔

"زندہ باد" یہ تو اور بھی اچھی بات ہے، ویسے بھی فرحت جہاں بڑی گھبرا رہی ہے، کہتی ہے ٹھیک نے کے بعد اب وہ چلنا پھرنا بھی شروع کرے گی، ہم یہ کام کئے لیتے ہیں کم از کم اس سے یہ تو پتہ جائے گا کہ دشمن حویلی کے اندر ہی موجود ہے یا باہر ہے؟"

"شکیل بیگ باہر چلا گیا تھا پھر گھر میں جتنے افراد تھے ان سب کو ہال نما ڈرائنگ روم میں جمع کر لیا ا۔ سبھی حیران تھے۔ شکیل بیگ نے انہیں کچھ بھی نہیں بتایا تھا۔ گھر کے ملازم چوکیدار وغیرہ تک لئے گئے تھے اور گیٹ میں تالا لگا دیا گیا تھا تاکہ باہر والا کوئی شخص پریشان نہ کرے اور پھر اعظم بیگ نصرت جہاں، رخسانہ اور شکیل کمرے میں داخل ہو گئے، سکندر شاہ اور سکینہ بھی موجود تھے۔ لم بیگ نے کہا۔

"آپ لوگوں کو حیرت تو ہو گی کہ میں نے آپ کو یہاں کس لئے بلایا ہے۔"

"ہاں مرزا صاحب۔ حیرت کی بات ہے ضرور کوئی خاص بات ہو گئی ہے۔" اعظم بیگ کے ں نے کہا۔

"جی ہاں، خاص بات ہے آپ لوگوں کو اس بات کا تو علم ہے کہ فرحت جہاں بیچاری کس مشکل عالم میں وقت گزار رہی ہے؟"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"یہ ہمارے سکندر شاہ صاحب ہیں، ان کے بارے میں بھی آپ کو تھوڑا بہت معلوم ہو گا؟"

"جی ہاں کچھ باتیں ہمیں معلوم ہیں، یہ کوئی درویش ہیں۔"

"آپ صرف درویش کہہ رہے ہیں انہیں، یہ ہماری آبرو کے محافظ ہیں، انہوں نے وہ کیا ہے جو بھی نہیں کر سکا۔ آپ لوگوں کو اس بات کا علم ہے؟"

"شاہ صاحب نے واقعی ہم سب پر احسان کیا ہے۔" ایک اور صاحب بولے۔

"یہ انکشاف شاہ صاحب ہی نے کیا ہے کہ فرحت جہاں پر جادو کرایا گیا ہے اور اس وقت میں پ تمام لوگوں سے معافی چاہتا ہوں ہمیں اس شخص کا پتہ لگانا ہے جس نے یہ عمل کیا ہے۔ سکندر

شاہ صاحب کو ان کی غیبی قوتوں نے بتایا تھا کہ فرحت جہاں پر جادو کیا گیا ہے اور رات کو انہوں نے ایک خاص عمل کیا ہے۔"

"وہ کیا؟"

"حویلی کے چاروں کونوں سے کورے مٹکے نکالے گئے ہیں جن میں جادو کی چیزیں بھری ہوئی تھیں اور وہ مٹکے الاؤ میں جلادیئے گئے ہیں۔"

"نتیجہ کیا نکلا؟"

"ابھی تک تو کچھ نہیں' خود سکندر شاہ صاحب اس کے بارے میں بتائیں گے۔"

"نتیجہ یہ نکلا ہے میرے بزرگو! بھائیو اور دوستو! کہ فرحت جہاں کو میں جس وقت بھی چاہوں اس کے قدموں سے چلا کر باہر نکال سکتا ہوں۔"

کچھ خوشی کی چیخیں ابھری تھیں' اور کچھ چہرے حیرت سے پھیل گئے تھے۔

"تو کیا فرحت جہاں ٹھیک ہو گئی۔"

"اب اس کے ٹھیک ہونے میں کچھ لمحے ہی باقی ہیں۔ فرحت جہاں آ جاؤ۔" سکندر شاہ نے کہا اور پروگرام کے مطابق فرحت جہاں مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی۔ چاروں طرف غل مچ گیا تھا' لوگ خوشی سے مبارکبادیں دے رہے تھے' ہر ایک کے چہرے پر خوشی ناچ رہی تھی' دعائیں بھی دے رہے تھے' فرحت جہاں ایک طرف بیٹھ گئی تو سکندر شاہ نے کہا۔

"آپ سب کی محبتوں کا مجھے اندازہ ہے' اصل بات یہ ہے کہ میں یہ پتہ چلانا چاہتا ہوں کہ جادو کس نے کرایا' اور اس کے لئے ایک چھوٹا سا کام آپ لوگوں کو کرنا ہے۔"

"آپ بتایئے ہم خلوص سے تیار ہیں۔" ماموں صاحب نے کہا۔

"یہ گاجریں ہیں' آپ سب کو یہ گاجریں کھانا ہوں گی' ایک ایک گاجر سب میں تقسیم کر دی جائے گی' ہمارے سامنے یہ گاجریں کھائی جائیں گی' اگر خدانخواستہ آپ میں سے کوئی اس جادو کا محرک اور ذمے دار ہے تو انتہائی معافی کے ساتھ یہ بات کہتا ہوں میں کہ فوری طور پر اس کا رد عمل ظاہر ہو گا' گاجر کھانے والے کے منہ سے اس کے کلیجے کے ٹکڑے ٹوٹ ٹوٹ کر باہر نکلیں گے اور اسی وقت صحیح فیصلہ ہو جائے گا۔ آپ لوگوں نے یہ دیکھ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فرحت جہاں ہماری کوششوں سے ٹھیک ہو گئی ہیں' یہ دوسری کوشش کر کے ہم یہ اطمینان کر لینا چاہتے ہیں کہ گھر کا کوئی آدمی تو فرحت جہاں کا دشمن نہیں ہے' اور اس کے بعد ہم باہر کے لوگوں کو



دیکھیں گے' میں آپ لوگوں کو اس بات کا اطمینان دلاتا ہوں کہ بالآخر میں اس شخص کو ضرور پکڑ لوں گا جس نے فرحت جہاں بیچاری کے ساتھ یہ سلوک کیا' آپ لوگوں سے معذرت ہے ہر شخص ایک ایک گاجر اس طشت میں سے اٹھالے اور جب میں کہوں تو چبانا شروع کر دے' لیکن میرے کہنے سے پہلے کوئی گاجر نہیں کھائے گا اور ایک بات میں اور بتادوں کہ عمل فوری ہو گا اور نتیجہ فوراً ظاہر ہو جائے گا اور پھر اس شخص کی زندگی بچانا ذرا مشکل ہو گا چونکہ براہ راست اس کا کلیجہ متاثر ہو گا۔ سکینہ چلو گاجریں تقسیم کر دو۔" سکینہ طشت لئے ہوئے ایک ایک شخص کے سامنے چکر لگانے لگی اور لوگوں نے خوشی سے گاجریں اٹھالیں۔ لیکن پھر صورتحال ذرا مختلف ہو گئی۔ کونے میں کھڑے ہوئے ایک نوجوان لڑکے نے گاجر اٹھانے سے انکار کر دیا تھا۔ سکینہ طشت لئے ہوئے اس کے سامنے کھڑی تھی اور لڑکے کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ سب نے اسے حیرت سے دیکھا کیونکہ ایک ایک کا جائزہ لیا جا رہا تھا۔ اعظم بیگ نے حیرانی سے کہا۔

"نجیب کیا بات ہے' تم گاجر کیوں نہیں اٹھا رہے ہو اور یہ تمہاری حالت کیا ہو رہی ہے؟"

"اماں' اماں تم اٹھالو۔" نجیب نے قریب کھڑی ہوئی ایک خاتون سے کہا' لیکن ان خاتون کی حالت بیٹے سے بھی زیادہ خراب ہو رہی تھی۔ مرزا اعظم بیگ' نصرت جہاں اور شکیل بیگ دوڑ کر ان کے پاس پہنچ گئے' شکیل بیگ نے غصے سے بے قابو ہو کر کہا۔

"کیا بات ہے تم لوگ گاجر کیوں نہیں اٹھا رہے' کیا بات ہے بولو جواب دو۔" اور جواب میں وہ عورت رونے لگی' وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔

"رشیدہ ممانی کیا ہو گیا آپ کو؟" نصرت جہاں نے کہا اور رشیدہ ممانی بری طرح بین کرنے لگیں۔

"معاف کر دو مجھے' ارے مجھے معاف کر دو' پاگل ہو گئی تھی' دیوانی ہو گئی تھی میں' اے میرے ولا مجھے معاف کر دے' ہائے نصرت جہاں' اعظم میاں مجھے معاف کر دو تمہیں خدا کا واسطہ۔"

"سیدھی کھڑی ہو جایئے اور گاجر اٹھایئے۔"

"میں نہیں اٹھانے کی' میں نہیں اٹھاؤں گی اللہ قسم' مجھے تو بس تم معاف کر دو۔"

"ہوں' شکیل ذرا ان دونوں کو آگے تو لے آؤ۔" اعظم بیگ شدید غصے کے عالم میں بولے۔

م لوگ حیران نگاہوں سے رشیدہ ممانی اور ان کے بیٹے نجیب کو دیکھ رہے تھے۔ دونوں کا رنگ فق رہا تھا اور وہ تھر تھر کانپ رہے تھے۔

"رشیدہ ممانی میں تو خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا کہ آپ ایسی کوئی حرکت کر سکتی ہیں۔"

"ارے خدا مجھے غارت کر دے ارے میری عقل پر پتھر پڑ گئے تھے' میرا بیٹا بے قصور ہے۔ بخش دو شاہ صاحب' اسے بخش دو تمہیں اللہ کا واسطہ' ارے مجھے جو سزا چاہو دے لو میرے بچے کو بخش دو۔ میرے بچے کو معاف کر دو۔"

"گاجریں اٹھائیے اور کھائیے۔" مرزا اعظم بیگ غرا کر بولے۔

"گاجر کھانی پڑے گی تمہیں' تم دونوں کو گاجر کھانی پڑے گی۔"

"نہیں کھاؤں گی قسم اللہ کی' گردن کاٹ دو میری' اے نجیب! چھونا مت بیٹا گاجر کو' ارے اللہ ماری عقل کو کیا ہو گیا تھا میری۔"

"ہوں' کیا کہنا چاہتی ہیں آپ اور آپ سب لوگ بھی یہاں رکیں' ذرا تماشہ دیکھتے جائیں۔ اسے کہتے ہیں آستین کا سانپ' اسے کہتے ہیں پشت پر چھرا گھونپنے والے' بتائیے رشیدہ ممانی کیا ہوا تھا؟"

"بتاتی ہوں اب کیا چھپانا..... ارے شاہ صاحب خدا تمہیں غارت کر دے کہاں سے آ مرے اس گھر میں۔ بتا رہی ہوں بتا رہی ہوں' ارے بیٹا! مجھے جان نہیں لینی تھی اپنی فرحت کی' بس میرے دل میں ایک آرزو تھی' ہائے میں کیا کروں۔ یہ نجیب مجھے پریشان کرتا رہتا تھا کہتا تھا اماں شادی کروں گا تو فرحت جہاں سے' ارے پاگل ہو گیا تھا۔ یہ فرحت جہاں کے لئے' میں کہتی تھی اس سے کہ بیٹا کہاں ہم اور کہاں وہ' وہ اس باپ کی بیٹی ہے جس کے ٹکڑوں پر ہم پل رہے ہیں اور ہم کیا ہیں؟ ہماری اوقات کیا ہے؟ ہائے بیٹا مجھ بڑھیا کی عقل پر بھی پتھر پڑ گئے' ہائے میں نے نہیں سوچا کہ مجھے یہ نہیں کرنا چاہیے' مگر کیا کرتی دل کو لگی ہوئی تھی' بیٹا جان لئے لے رہا تھا میں مجبور ہو گئی' میں نے کہا بیٹا میں کیا کر سکتی ہوں تو اس نے کہا اماں اس کا دل مٹھی میں لینے کے لئے ہمیں کچھ کرنا چاہیے' بیٹا یہ جامرا کمبخت کسی سفلی عمل کرنے والے کے پاس اور سفلی عمل کرنے والے نے اس سے دس ہزار روپے لئے بیٹا پورے دس ہزار' ہائے میں نے پائی پائی کر کے جوڑے تھے مگر اس نے مجھے بہکا دیا' کہنے لگا اماں اگر فرحت جہاں سے شادی ہو گئی تو سارے دلدر دور ہو جائیں گے لاکھوں روپے کا جہیز ملے گا' لاکھوں روپے کا' یہ تیرے دس ہزار روپے کیا حیثیت رکھتے ہیں اور وہ کمبخت مارا خدا اسے غارت کرے' الٹا جادو کر گیا۔ ارے اس نے اس سے مٹکے گڑھوائے اور یہ اس کی باتیں مانتا رہا اس نے ترکیب ہی بڑی الٹی بتائی تھی' کہنے لگا کہ "لڑکی کچھ عرصے کے لئے معذور ہو جائے گی اور جب وہ



معذور ہو جائے گی تو اس کی شادی کہاں ہو گی۔ کون پوچھے گا اس معذور لڑکی کو اور پھر بیٹا اس نے کہا کہ اس وقت بڑی بی تم اپنے بیٹے کا رشتہ دے دینا' خاندان کے حوالے دینا ایک معذور لڑکی سے شادی کرنے پر تیار ہو جانا' جب اس کی شادی ہو جائے گی تو ٹھیک تین ہفتے کے بعد اچانک یہ ٹھیک ہو جائے گی' بس یہ بات تھی بیٹا' دس ہزار روپے کے دس ہزار روپے خرچ ہو گئے اور آج تقدیر نے اس طرح ذلیل کر دیا۔ ارے بیٹا معاف کر دو' تمہیں خدا کا واسطہ مجھے معاف کر دو۔"

"بوڑھی' بے غیرت عورت اب معافی مانگ رہی ہے' میری بچی کی زندگی خراب کرنے کی کوشش کی تو نے' اور میں تجھے معاف کر دوں گا۔ کیا نہیں کیا میں نے تیرے ساتھ' کون سا رشتہ تھا تیرا مجھ سے لاوارث تھی' جوان بیٹے کی ماں ہونے کے باوجود بے غیرتوں کی طرح زندگی گزار رہی تھی' میں نے تجھے اپنے گھر میں جگہ دی اور نتیجے میں تو نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا' شکیل فوراً پولیس کو ٹیلیفون کرد' ایسے نہیں چھوڑوں گا میں اسے' کم از کم چودہ سال کی سزا اس نجیب کو کراؤں گا اور اتنی ہی اس بڑھیا کو' سمجھ رہے ہو جاؤ۔"

"ارے معاف کر دو' تمہیں خدا کا واسطہ معاف کر دو ارے اللہ کے بندو معاف کر دو مجھے' رشیدہ ممانی روتی رہیں لیکن مرزا اعظم بیگ اور تمام لوگ اسقدر غصے میں تھے کہ اسے معاف کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ خاندان والے اور جو دوسرے افراد بھی یہاں موجود تھے رشیدہ ممانی پر تھو تھو کرنے لگے' شکیل نے تو نجیب کی اچھی خاصی پٹائی کر ڈالی تھی لیکن مجرم تھا کچھ بھی نہیں بولا اور بھیگی بلی کی طرح بیٹھا رہا پھر شکیل ملازموں سے بولا۔

"میں ان مجرموں کو بالکل نہیں چھوڑوں گا' سزا دلوائے بغیر نہیں رہوں گا' چلو ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں کمرے میں بند کر دو' رشیدہ ممانی روتی پیٹتی رہیں لیکن سارے گھر والے شدید غصے میں تھے' آسانی سے تو نہیں چھوڑا جا سکتا تھا انہیں اور یہ بھی بات تھی کہ اگر آسانی سے انہیں چھوڑ دیا جاتا تو وہ اور شیر ہونے کی کوشش کرتے' حالانکہ بعد میں جب ان دونوں کو ایک کمرے میں بند کر دیا گیا تھا' شکیل سے اعظم بیگ نے سفارش کی۔"

"شکیل جو ہونا تھا وہ ہو گیا ہے اللہ کے فضل سے' اللہ نے ہمارے درمیان ایک فرشتہ بھیجا اور اس کے ذریعے ہماری مشکل حل کرا دی ان لوگوں کو بس یہاں سے نکال دو اور ان سے کہہ دو دوبارہ ادھر کا رخ نہ کریں' میرا خیال ہے اس سے زیادہ اور کچھ نہ کرو۔"

"نہیں اگر ایسا ہوا تو یہ شیطان پھر کوئی شرارت کرنے کی کوشش کریں گے انہیں پہلے ہی مرحلے

پر تھوڑی سی سزا دلوا دی جائے‘ میں جانتا ہوں کہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ پولیس کی دخل اندازی کا کیس نہیں ہے لیکن میرا دوست رحمان پولیس آفیسر ہے‘ میں اس سے کہوں گا کہ ان لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرے کہ یہ ہمیشہ یاد رکھیں اور اس کے بعد انہیں اس شہر سے ہی نکال دے میں اس سے بات کرلوں گا‘ رحمان شکیل کا بچپن کا دوست تھا اور اس وقت ڈی ایس پی لگا ہوا تھا شکیل نے اس سے بات چیت کی اور ساری تفصیلات رحمان کو بتائیں۔ رحمان کو بھی فرحت جہاں کی بیماری کا علم تھا اس نے بہت افسوس کا اظہار کیا اور بولا۔

”اصل میں بات وہی ہے شکیل کہ ہم اس کیس میں کوئی قانونی دخل اندازی تو نہیں کر سکتے‘ کوئی ایسا ثبوت بھی نہیں ہے ہمارے پاس وہ سفلی عمل کرنے والا تو پیسے لے کر بھاگ گیا ہوگا‘ بدبخت نے جو کچھ بھی کیا اس کا نتیجہ اللہ کے ہاں بھگتے گا‘ ہاں تم ایسا کرو انہیں میرے حوالے کردو‘ دس بارہ دن تک انہیں لاک اپ میں بند رکھوں گا اور اس کے بعد ان کے ساتھ مہربانی کرکے انہیں حکم دوں گا کہ چپ چاپ اس شہر سے بھاگ جائیں‘ پکڑے گئے تو سزا سے نہیں بچ سکیں گے۔“

”میرا بھی یہی مقصد ہے‘ میں چاہتا ہوں کہ بعد میں یہ لوگ کوئی شرارت نہ کریں اور کہیں اور قانونی کام نہ کرنا پڑ جائے مجھے‘ دل تو یقین کرو میرا یہی چاہتا ہے کہ انہیں پتھر مار مار کر ہلاک کردوں لیکن بہرحال.....“

”تم نے بہت اچھا کیا شکیل کہ جذباتی نہیں ہوئے اور یہ تمہاری بہادری ہے کہ تم نے اپنے غصے پر قابو پالیا..... بہرحال میں عمل کرتا ہوں۔“

پھر پولیس کی ایک گاڑی مرزا اعظم بیگ کی کوٹھی میں داخل ہوئی اور اس کے بعد ڈی ایس پی رحمان بہت سے پولیس والوں کے ساتھ اس کمرے میں داخل ہوا..... جہاں وہ دونوں ماں بیٹے بند تھے‘ رشیدہ ممانی تو پولیس کو دیکھتے ہی فرش پر لمبی ہوگئی تھیں۔

”ہائے میں مرگئی‘ مرزا اعظم بیگ‘ تم نے پولیس بلا ہی لی۔“

”اب تم دونوں ماں بیٹے پھانسی پر چڑھو گے‘ تم نے سمجھا کیا تھا مجھے‘ جب تک تمہیں پھانسی نہ لگوالوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا‘ رشیدہ ممانی کے منہ سے پھر کوئی بات نہ نکل سکی تھی ادھر نجیب بھی مردہ ہو رہا تھا۔ ڈی ایس پی رحمان نے خود ڈرامہ کیا۔ کچھ بید بھی لگائے ان لوگوں کو اور اس کے بعد پولیس کی گاڑی میں بٹھا کر انہیں تھانے لے گیا۔ سارے ملازمین دیکھ رہے تھے۔ شکیل نے اعظم بیگ کو بتایا کہ رحمان سے کیا بات ہوئی ہے‘ اعظم بیگ نے مطمئن لہجے میں کہا۔



”یہ اچھا ہوا اب اس کے بعد کم از کم ان شیطانوں کو مزید کوئی شرارت کرنے کی ہمت نہیں ہو گی۔“

”شہر سے ہی نکال دیئے جائیں گے پھر کوئی مسئلہ نہیں رہے گا۔“

”ساری باتیں اپنی جگہ لیکن ہم ان فرشتوں کا شکریہ کس طرح ادا کریں‘ جنہوں نے ہماری ندگی اس طرح بچالی ہے‘ ورنہ ہمارے سینے پر اتنا گہرا زخم لگ گیا تھا کہ بس سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یں خوشیاں نصیب ہوں گی کہ نہیں۔“

”اصل میں بات یہ ہے کہ اب اگر ہم سکندر چچا کو اپنا سب سے بڑا عزیز نہ سمجھیں تو ہم پر نت ہے‘ بتایئے ان سے بڑا عزیز ہمارا اور کوئی ہو سکتا ہے؟“

”ہرگز نہیں؟“

”جب ہمارا اور ان کا چچا بھتیجے کا رشتہ ہے تو فرحت جہاں کا بھی ان سے یہی رشتہ ہوا بھلا چچا اگر بچی کے لئے کوئی کام کرے‘ تو یہ کوئی ایسی بات تو نہیں ہے مگر شرط یہ ہے سکندر چچا کہ آپ اب بنے آپ کو ہمارا رشتہ دار ہی سمجھیں گے۔“

”اصل میں میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا..... بڑے لوگ تو آپ ہیں جو اس چھوٹی سی بات پر مجھے عزت دے رہے ہیں۔ سکندر شاہ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا اور پھر اس کے بعد کسی اور بات کی ائش نہ رہی‘ سکندر اس کی بیوی سکینہ اور رانی اس گھر میں زندگی گزارنے لگے اور یوں زندگی کا بڑی تیز رفتاری سے طے ہونے لگا‘ سال‘ دو سال‘ پانچ سال‘ سات سال غالباً“ ان لوگوں کو یہاں ئے ہوئے اب یہاں آٹھ سال ہو گئے تھے..... رانی جوان ہو گئی تھی لیکن آج تک سکندر شاہ کو یا کی بیوی سکینہ یا کسی اور کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کون ہے؟ اس کی کیفیت اتنی ہی پراسرار اور وہ لوگ اسے سمجھنے میں ناکام تھے لیکن کبھی کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتی تھی‘ اتنی حسین تھی کہ اسے زیادہ تر پردے ہی میں رکھا جاتا تھا یہ اندازہ تھا کہ دیکھنے والا اسے ایک نگاہ دیکھے گا تو ہوش و حواس پر قابو نہیں پاسکے گا۔ پتہ نہیں چلتا تھا کہ آخر وہ کون سی دنیا کی مخلوق ہے اور اس اس پراسرار دنیا کی پراسرار مخلوق کی کہانی کسی کے علم میں نہیں آسکی تھی۔

❀❀❀

سکندر شاہ اب تین بچوں کا باپ بن چکا تھا' فرحت جہاں کی شادی ہو گئی تھی' شکیل بیگ رخسانہ کے بھی دو بچے ہو چکے تھے' وقت گزر رہا تھا' رفتہ رفتہ سب ہی بھول گئے تھے کہ سکندر اس گھر کا کوئی فرد نہیں ہے اور آٹھ سال پہلے وہ بیچارہ سڑک کے کنارے بیٹھ کر طوطوں سے نکلواتا تھا اور اس طرح اس کی روزی چل رہی تھی اب تو مرزا اعظم بیگ نے سکندر کو بھی ا کاروبار کرا دیا تھا' کچھ رقم دی تھی اور کہا تھا کہ سکندر اپنا کاروبار کرے سکندر کو یہ موقع ملا تو اس اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور دن رات محنت کرنے لگا اسے محنت کا صلہ ملا' کاروبار چل پڑا' سے پہلے اس نے مرزا اعظم بیگ کو وہ رقم واپس کی جو انہوں نے اسے کاروبار کے لئے دی تھی مرزا اعظم بیگ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بھئی قرضہ تو ہمارا تم پر اس سے کہیں زیادہ ہے جو ہم تمہیں دے چکے ہیں۔ لیکن ہم تمہا عزت نفس پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔ صرف تمہارا بھرم رکھنے کے لئے ہم یہ رقم واپس لے ہیں ورنہ بخدا اب تو تم ہمارے لئے چھوٹے بھائیوں کی مانند ہو' سارے بچے تمہیں چچا' دادا ابو' نانا ابو کہا کرتے ہیں خیر تمہارا دل ہم بالکل نہیں توڑیں گے' کہو کاروبار کیسا چل رہا ہے۔"

"بس آپ کی دعائیں ہیں اتنا ہی کافی ہے میرے لئے کہ آپ نے مجھ جیسے معمولی انسان کو ع بخشی ہے۔"



"یہ ہمارا کام نہیں ہے سکندر میاں' اللہ تعالیٰ جسے عزت دینا چاہتا ہے اسے ہر حال میں عزت ہے' پتہ نہیں تم نے اپنی زندگی میں کون کون سے نیک کام کئے ہوں گے اور سکندر دل ہی دل ہنسنے لگا اس نے سوچا کہ ہاں اس نے صرف ایک نیک کام کیا تھا' دو روٹیاں جن پر دال رکھی ہوئی ان میں سے ایک روٹی اس بچی کو کھلا دی تھی اور اس کے بعد اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھا تھا کا صلہ اسے یہ ملا ہے' بچے بڑے ہو رہے تھے' رانی کی وہی کیفیت تھی' راتوں کو جاگتی۔ بے شمار اسے سکینہ بلکہ بچوں نے بھی کسی نامعلوم وجود سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ ہنستی تھی' ارتیں بھی کرتی تھی' لیکن عام حالات میں سنجیدہ بھی رہتی تھی' غرض یہ کہ زندگی یونہی گزر رہی ۔ ایک دن مرزا اعظم بیگ نے سکندر سے کہا۔

"بھئی سکندر رانی کے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟"

"میں سمجھا نہیں مرزا صاحب؟"

"بچی ماشاء اللہ جوان ہو گئی ہے' اتنی حسین ہے کہ بس آنکھوں بٹھا لینے کو دل چاہتا ہے' میری زو ہے کہ اس کے لئے کوئی اچھا سا گھر تلاش کر کے اس کا رشتہ کریں۔"

"آپ میرے بڑے بھائیوں کی مانند ہیں یہ تو میں آپ کو بتا چکا ہوں مرزا صاحب کہ رانی میری نہیں ہے بس وہ مجھے ایسے ہی راستے میں مل گئی تھی۔ آپ مجھے یہ بتایئے کہ کیا میں اس کی شادی نے کا حق رکھتا ہوں؟"

"تم نے اسے ماں باپ کی طرح پالا ہے' تمہیں اس کا پورا پورا حق حاصل ہے۔"

"تو پھر کیا حکم ہے میرے لئے؟"

"مجھے اجازت دو کہ میں اس کے لئے رشتے تلاش کروں۔"

"آپ جیسا مناسب سمجھیں۔" سکندر نے سادگی سے کہا اور مرزا صاحب نے گردن ہلا دی۔

"علاقے میں بہت سی تبدیلیاں ہوئی تھیں۔ سامنے ایک بہت ہی حسین کوٹھی تھی جسے کچھ لوگوں نے خریدا تھا اور وہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ ان کے بارے میں کوئی صحیح معلومات تو نہیں لیکن ایک دن سکندر جب کہیں سے واپس آ رہا تھا ایک سفید بالوں والے عمر رسیدہ شخص نے کا راستہ روکا اور بولا۔

"جناب سکندر صاحب میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی؟"

"میں آپ کی سامنے والی کوٹھی میں رہتا ہوں' آپ کا پڑوسی ہوں۔"

"اوہو اچھا اچھا' میں نے سنا تھا کہ اس کوٹھی میں نئے لوگ آئے ہیں۔"

"آیئے ہمارے ساتھ ایک پیالی چائے پی لیں تو آپ کی محبت ہوگی۔"

"مجھے اعتراض نہیں ہے۔" سکندر نے کہا اور ان صاحب کے ساتھ کوٹھی میں داخل ہوگ اندر ایک اور صاحب سے ملاقات ہوئی..... تب پہلے ملنے والے صاحب نے کہا۔

"میرا نام حشمت ہے' نواب حشمت' ایک دوسرے شہر سے یہاں آیا ہوں اور یہ میر چھوٹے بھائی نواب فرقت ہیں..... آیئے ہم آپ کو اپنی کوٹھی دکھائیں سکندر نے کوٹھی دیکھ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں کیا عالیشان کوٹھی تھی اور کتنا اعلیٰ درجے کا فرنیچر تھا۔ نوا حشمت نے بڑی عزت سے سکندر کو بلایا اور پھر فرقت سے کہا۔

"جاؤ فرقت میاں چائے وغیرہ کا انتظام کرو۔" نواب فرقت چلا گیا پھر کچھ دیر کے بعد سکندر سامنے نا جانے کیا کیا چیزیں ڈھیر کر دی گئیں' سکندر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ آپ نے کیا کیا نواب صاحب۔ یہ تو بہت زیادہ تکلف کر ڈالا آپ نے۔"

"میاں کیا کریں' بس دوستوں کو ترسے ہوئے ہیں اور خاص طور سے تم تو ہمارے لئے اہمیت کے حامل ہو۔"

"میں؟"

"ہاں تم۔ لو کھاؤ شروع کرو۔"

"جی نہیں میں وقت سے ہی کھاتا پیتا ہوں' آپ نے یہ تکلف کیا میں تو منع کر رہا تھا۔"

"میاں کچھ تو لو۔" سکندر نے ایک پھل اٹھا کر کھا لیا تھا۔ نواب حشمت نے کہا۔

"سکندر میاں ایک کام ہے تم سے۔"

"جی فرمایئے۔" نواب حشمت نے نواب فرقت کی طرف دیکھا تو نواب فرقت جلدی سے بو

"اصل میں آپ کی ایک بیٹی ہے؟"

"میری دو بیٹیاں ہیں۔"

"نہیں' میں اس بچی کی بات کر رہا ہوں جو اصل میں آپ کی بیٹی نہیں ہے۔"

"رانی؟" سکندر کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"آپ نے اس کا جو بھی نام رکھا ہو..... میں اسی کی بات کر رہا ہوں' وہ جو بڑی لڑکی ہے۔"



"جی ہاں پھر۔"

"دیکھو سکندر میاں یہ بات تم سے زیادہ اور کون جان سکتا ہے کہ رانی تمہاری بیٹی نہیں ہے" سکندر کے پاؤں تلے زمین نکل گئی' اتنے عرصے کے بعد کوئی ایسا شخص سامنے آیا تھا جو یہ بات کہہ رہا تھا کہ رانی اس کی بیٹی نہیں ہے۔ وہ خاموشی سے نواب فرقت کی صورت دیکھنے لگا..... تو نواب حشمت نے کہا۔

"ہاں اور تم نے اسے کہیں سے پایا تھا اور اپنی بیٹی بنا کر اپنے ساتھ رکھا ہے۔"

"جی ہاں یہ درست ہے' میں اس سے انکار نہیں کرتا' لیکن آپ یہ بات کیسے جانتے ہیں؟"

"اس طرح کہ ہمیں معلوم ہے وہ کس کی بیٹی ہے؟"

"کک کیا' سکندر کے اوسان خطا ہو رہے تھے؟"

"اور یہ بات اگر اس شخص کو معلوم ہو جائے جو بہت بڑی حیثیت کا مالک ہے تو جانتے ہو وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرے گا البتہ میں تمہیں اتنا بتا دوں کہ وہ خود بھی اتنا بڑا آدمی ہے کہ تم اور تمہارے یہ مرزا اعظم بیگ سوچ بھی نہیں سکتے..... اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ لڑکی یہاں موجود ہے تو یوں سمجھ لو کہ وہ تم لوگوں کی گردنیں کٹوا دے گا۔"

"مگر میں نے تو ایسا کوئی عمل نہیں کیا۔ نہ میں اس لڑکی کو کہیں سے اٹھا کر لایا تھا وہ تو مجھے سڑک پر ملی تھی اور خود اس بات کی گواہی دے گی۔"

"کوئی بھی گواہی' کوئی بھی شخص کسی سے دلوا سکتا ہے اس پر تشدد کر کے' ہم یوں سمجھ لو بڑی مشکل سے تمہارا پتہ معلوم کر سکے ہیں۔ سکندر میاں ہم تمہاری اس سلسلے میں مدد کر سکتے ہیں۔"

"کیسی مدد؟"

"یوں کرو لڑکی ہمارے حوالے کر دو' ہم اسے خاموشی سے لے جائیں گے اور جس طرح بھی بن پڑے گا تمہاری جان بچا لیں گے۔"

"کمال کرتے ہیں آپ میں آپ کی بات کیسے مان لوں کہ آپ اس شخص کو جانتے ہیں جس کی وہ بیٹی ہے۔"

"تمہیں ماننا پڑے گا سکندر میاں۔"

"زبردستی ماننا پڑے گا۔"

"نہیں زبردستی نہیں' محبت اور دوستی سے..... بات یہ ہے کہ اس شخصیت کا ہم تمہیں نام

نہیں بتانا چاہیے' تم ایسا کرو بچی کو خاموشی سے یہاں لے آؤ اسے بتانے کی ضرورت نہیں ہے ہم اسے یہاں سے کسی مناسب وقت لے جائیں گے۔"

"نہیں نواب حشمت صاحب میں کسی بھی قیمت پر آپ کو وہ بچی نہیں دے سکتا۔ اگر اس بچی کا کوئی باپ ہے تو آپ اسے میرے سامنے بلا کر لے آیئے میں بچی اس کے حوالے کر دوں گا' بشرطیکہ بچی اپنی مرضی سے جانا قبول کرے۔ آپ کو پتہ ہے وہ بڑی ہو چکی ہے۔"

"ہاں ہمیں پتہ ہے' دیکھو تمہارے فائدے کی باتیں کر رہے ہیں اس بچی کے لئے ہم تمہیں پچاس لاکھ روپے دے سکتے ہیں اور اس کے علاوہ تمہاری زندگی بھی بچ جائے گی۔"

"آپ پچاس لاکھ دے سکتے ہیں؟"

"ہاں۔"

"آپ کیوں دے رہے ہیں یہ رقم؟"

"اس کی ایک گہری وجہ ہے تم خود سوچو سکندر میاں کہ پچاس لاکھ کی رقم کیا ہوتی ہے تم مرزا اعظم بیگ کے ٹکڑوں پر پڑے ہو ٹھیک ہے اپنا چھوٹا موٹا سا کاروبار کرتے ہو' لیکن اگر مرزا اعظم بیگ کی برابر کی کوٹھی تمہاری اپنی ہو اور تم ان سے زیادہ شاندار زندگی گزارو تو کیا تمہیں اچھا نہیں لگے گا۔ سکندر کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"نواب حشمت صاحب میں نہیں جانتا آپ کون لوگ ہیں' میں یہ بھی نہیں جانتا کہ آپ کا ان تمام باتوں سے مقصد کیا ہے؟ لیکن مجھے یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے آپ بہت چالاک لوگ ہیں اور کوئی سازش کرنا چاہتے ہیں۔"

"لو بھلا ہم کیا سازش کریں گے۔ ایک سیدھی سادی سی پیشکش ہے تمہارے لئے' مگر ایسا لگ رہا ہے جیسے تمہیں راس نہیں آ رہی۔ نواب فرقت ایسا کرو انہیں پچاس لاکھ روپے کی رقم ایڈوانس دے دو اور اس کے بعد ان سے معلوم کرو کہ یہ کیا کہتے ہیں"۔ نواب فرقت اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ سکندر کے ہونٹوں پر بدستور طنزیہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی پھر اس کے سامنے میز پر نوٹوں کی گڈیاں انبار کر دی گئیں اور سکندر انہیں دیکھنے لگا پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

نواب حشمت اور نواب فرقت میں سڑک پر چادر کا ایک ٹکڑا بچھا کر بیٹھتا تھا' دو ننھے ننھے پرندے تھے اور لفافوں کا ڈھیر' جب زندگی میں پہلی بار مجھے سو روپے کا نوٹ ملا تو میں خوشی سے پھولا نہیں سمایا اس کے بعد یوں سمجھ لو میری تقدیر کے ستارے بدلتے رہے اور آج میں اپنا اور اپنے بیوی



بچوں کا بہت اچھے طریقے سے پیٹ پال رہا ہوں۔ وہ بچی یوں سمجھ لو میرے لئے کیا ہے۔ تم تصور نہیں کر سکو گے۔ اگر اسکے ماں باپ آجاتے ہیں اور بچی اپنی خوشی سے ان کے پاس جانا پسند کرتی ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا ویسے بھی انہیں اپنی بچی پر اختیار حاصل ہے لیکن جہاں تک تم مجھے یہ نوٹوں کے انبار دکھا رہے ہو نا تو اس کے لئے میں تمہیں ابھی بتاتا ہوں۔" سکندر اپنی جگہ سے اٹھا۔ پھر اس نے ایک زوردار لات نوٹوں کی گڈیوں پر ماری اور گڈیاں چاروں طرف بکھر گئیں۔ سکندر نے کہا۔

"اپنی رانی کے پاؤں کے ناخن کے بدلے میں یہ دولت قبول نہیں کروں گا میں تم لوگوں کو اتنے جوتے لگاؤں گا کہ تمہارا دماغ درست ہو جائے گا۔ صرف ایک ہی شکل میں' میں بچی کو اس کے ماں باپ کے حوالے کر سکتا ہوں' وہ یہ کہ وہ میرے پاس آئیں۔ چاہیں جتنے بھی بڑے آدمی ہوں وہ کتنی ہی بڑی حیثیت کے مالک ہوں وہ' میں انہیں جوتے کی نوک پر نہیں مارتا' وہ میرا کچھ بھی نہیں بگاڑیں گے۔ سمجھے تم۔ نواب حشمت اور فرقت کا چہرہ زرد پڑ گیا اور اسی وقت ایک عجیب سی گڑگڑاہٹ فضا میں ہونے لگی' ایک عجیب سی کیفیت' اور اس کے ساتھ ہی اچانک ہی سکندر شاہ نے دیکھا کہ نواب حشمت اور نواب فرقت کے پیروں میں موٹی موٹی زنجیریں آپڑی ہیں' یہ زنجیریں کافی لمبی تھیں اور ان کے سرے دور لگے ہوئے کڑے میں بندھے ہوئے تھے زلزلے کی سی کیفیت کافی دیر تک قائم رہی اور سکندر شاہ کو بھی اپنے آپ کو سنبھالنے کے لئے ایک دیوار کا سہارا لینا پڑا۔ لیکن بات اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ زلزلہ تو خیر آسکتا تھا لیکن یہ زنجیریں جو فرقت اور حشمت کے پیروں میں پڑ گئی تھیں وہ ناقابل یقین تھیں۔ سکندر شاہ حیرت سے ان زنجیروں کو دیکھ رہا تھا اور وہ دونوں شدت خوف سے کانپ رہے تھے۔ ان کے چہرے زرد پڑ گئے تھے اور ان کی حالت بہت خراب نظر آ رہی تھی۔ سکندر شاہ پتھرائی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھتا رہا لیکن کیا مجال کہ کوئی بات سمجھ میں آئی ہو۔ پھر یہ زلزلہ ختم ہوا اور اس کے بعد کوٹھی کے اس کمرے کے دروازے سے چار افراد اندر داخل ہوئے' یہ سفید لباسوں میں ملبوس تھے اور بڑی اچھی شخصیتوں کے مالک نظر آ رہے تھے انہوں نے ان دونوں زنجیروں سے بندھے ہوئے آدمیوں کو دیکھا پھر سکندر شاہ کی طرف اور اس کے بعد ان میں سے ایک نے کہا۔

"سکندر شاہ رات کو بارہ بجے تم اپنی بچی میرا مطلب ہے رانی مرزا اعظم بیگ اور جن جن افراد کو مناسب سمجھو ان کے ساتھ یہاں آجانا اس وقت جاؤ ہمیں کچھ کام کرنے ہیں سمجھے۔ تم نے بہت

بڑا کام کیا ہے سکندر شاہ بہت بڑا کام کیا ہے۔ تم ہو ہی بڑے آدمی مگر اس وقت جاؤ۔ سیدھے چلے جاؤ۔ ادھر ادھر دیکھنا نہیں اور نہ یہ سوچنے کی کوشش کرنا کہ ہم کون ہیں؟ لیکن رات کو بارہ بجے ہم تمہارا انتظار کریں گے۔" سکندر شاہ الٹے قدموں سے باہر نکل آیا تھا لیکن کوئی بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی وہ بری طرح ڈگمگا رہا تھا' یہ تو عجیب واقعہ ہو گیا۔ پتہ نہیں آگے کیا ہونا ہے۔

❀❀❀



سکندر شاہ کے دل کی عجیب حالت تھی' سیدھا سادہ شریف آدمی تھا اور اپنے اندر کوئی چھل
ب نہیں رکھتا تھا۔ بس جہاں تک رانی کا معاملہ تھا۔ وہ ایک الگ بات تھی اور اس کے لئے
ت مجبوری ابھی تک اس نے اپنی زبان مرزا اعظم بیگ کے گھر میں بند رکھی تھی' ہر چیز کا ایک
ا ہوتا ہے اور سکندر یہ سمجھتا تھا کہ ہر ایک کی تشہیر نہیں کرنی چاہیے چنانچہ وہ خاموش رہا تھا۔
ا اب صورت حال اس کے لئے ناگزیر ہو گئی تھیں۔ اب بھی اگر زبان بند رکھتا تو کیا کہتا کسی سے'
ایک بات بھی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ سکینہ بیچاری سیدھی سادی عورت تھی اسے تو ایسی
، بتانا بھی خطرہ ہی مول لینا تھا۔ لیکن اب اعظم بیگ اس کے لئے بری حیثیت رکھتے تھے۔ اس
، اعظم بیگ اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے جب سکندر ہانپتا کانپتا ان کے سامنے پہنچا۔ اعظم
' شکیل وغیرہ نے چونک کر سکندر کو دیکھا اور پھر اعظم بیگ نے کہا۔

"کیا بات ہے سکندر خیریت' تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہوں بھائی صاحب۔"

"ہاں ہاں کہو کیا بات ہے؟" سکندر نے پریشان نظروں سے شکیل کو دیکھا تو اعظم بیگ نے کہا۔

"کیا ان لوگوں کو میں یہاں سے ہٹا دوں؟"

"نن..... نہیں۔ آپ ہی لوگ میرے سب کچھ ہیں' اصل میں آج ایک بہت بڑی بات ہو گئی

ہے۔"

"ہاں ہاں خیریت کیا بات ہے؟"

"مجھے آپ کو پیچھے سے کچھ بتانا پڑے گا۔ رانی کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"کیا ہوا خیریت؟"

"یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ وہ میری بیٹی نہیں ہے؟"

"ہاں۔ سکینہ نے ہمیں بتایا تھا کہ وہ تمہیں کہیں ملی تھی اور تم اسے لے آئے تھے مگر بڑی با ہے بھئی، کسی کی بچی کو اس طرح اپنی اولاد کی طرح پالنا معمولی کام نہیں ہوتا۔"

"آج ایک عجیب واقعہ ہوا ہے۔"

"بھلا کیا؟" اور جواب میں سکندر نے ساری کہانی ان لوگوں کو بتا دی۔ وہ سارے کے سار۔ حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گئے تھے۔ پھر مرزا صاحب نے کہا۔

"وہ سامنے والی کوٹھی کی بات کر رہے ہو؟"

"جی ہاں۔"

"ہاں میں نے سنا تھا کہ کچھ نئے لوگ وہاں آئے ہیں، لیکن یہ قصہ کیا ہے؟"

"اب آپ یہ بتائیے کہ رات کو بارہ بجے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟"

"تم فکر مت کرو سکندر۔ تم نے بہت اچھا کیا ساری تفصیل مجھے بتا دی۔ تمہیں معلوم ہے می دوست پولیس آفیسر ہے ہم پورے انتظامات کرنے کے بعد چلیں گے اور دیکھیں گے کہ قصہ ک ہے۔ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو سمجھ لو ہم ان لوگوں کو زندہ سلامت نہیں چھوڑیں گے۔ کیا سمجھتے ہیں ہماری رانی بہن کو؟"

"تو پھر آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟"

"چلنا ہے اور ضرور چلنا ہے تم بالکل بے فکر رہو مجال ہے کسی کی، اور جہاں تک رہا معاملہ پچاس لاکھ روپے کا تو بہرحال سکندر شاہ تم اتنے ہی بڑے آدمی ہو، ہمیں معلوم تھا۔ ہمارا سب کچھ تمہارے لئے حاضر ہے۔ تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہے اور تمہاری ساری زندگی اب ہمارے ساتھ منسلک ہے۔ تم نے بہت اچھا کیا جو دولت کے لالچ میں نہیں آئے۔"

"بہرحال وہ سب سکندر کو دلاسہ دیتے رہے، شکیل نے اپنے اس پولیس آفیسر دوست کو بلوا لی جس نے ہمیشہ ہی الجھے ہوئے معاملات میں ان کا ساتھ دیا تھا۔ جب اسے مختصر تفصیل بتائی گئی تو اس



نے کہا۔

"فکر مت کریں آپ لوگ میں پوری کوٹھی کا محاصرہ کرا لوں گا، پولیس کو چھپا دوں گا اور اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو آپ اطمینان رکھیں کسی ایک کو بھی وہاں سے نہیں نکلنے دوں گا۔"

"تو پھر جاؤ تم بندوبست کرو۔" شکیل نے کہا۔

رانی کو کچھ نہیں بتایا گیا تھا، بس وہ خاموش ہی تھی اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی، اس کی آنکھوں کی جو معنی خیز کیفیت تھی اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ نجانے کیوں اسے حالات کا تھوڑا بہت اندازہ ہے۔ پھر مقررہ وقت پر وہ لوگ اس عمارت میں داخل ہو گئے۔ عمارت کا بیرونی حصہ بالکل سنسان پڑا ہوا تھا، وہ سب کے سب آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے بالآخر اس بڑے ہال میں پہنچ گئے اور جب وہ بڑے دروازے سے اندر داخل ہوئے تو دفعتہً روشنی پھیل گئی۔ بہت بڑے ہال میں انہوں نے عجیب و غریب منظر دیکھا۔ وہ چار افراد تو وہاں موجود تھے ہی، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی کچھ اور افراد کا اضافہ ہو گیا تھا۔ ان میں ایک بزرگ جن کی داڑھی لمبی تھی، ایک عمر رسیدہ خاتون جو بہت خوبصورت تھیں موجود تھے۔ اس کے ساتھ ہی ایک ایسا شخص بھی تھا جو موٹے اور بھاری بدن کا مالک تھا۔ اس نے اپنے بدن پر پیلا لباس پہنا ہوا تھا، سر گھٹا ہوا تھا اور ماتھے پر نشانات بنے ہوئے تھے۔ سر کے درمیان ایک لمبی سی چوٹی لہرا رہی تھی۔ یہ کوئی ہندو پنڈت معلوم ہوتا تھا۔ وہ ایک طرف خاموش بیٹھا ہوا تھا اس کے علاوہ دونوں افراد جنہوں نے اپنے آپ کو حشمت اور فرقت بتایا تھا، اسی طرح زنجیر سے بندھے بیٹھے ہوئے تھے، دو اور افراد موجود تھے جن میں ایک خوبصورت سا نوجوان لڑکا اور ایک عمر رسیدہ شخصیت جن کو دیکھ کر ہی دل پر خوف طاری ہوتا تھا۔ ان کے چہرے پر جلال تھا۔ نوجوان لڑکا بے حد خوبصورت تھا۔ جیسے ہی یہ سب اندر داخل ہوئے معمر عورت جو سفید چادر اوڑھے ہوئے تھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اس کے منہ سے ایک دلدوز چیخ نکلی اور وہ تیزی سے دوڑی اور رانی سے لپٹ گئی۔

"میری بچی، میری نور جہاں۔" عمر رسیدہ عورت نے کہا۔ رانی بھی اس سے لپٹ گئی تھی۔ پھر وہ بزرگ شخصیت آگے بڑھی اور انہوں نے رانی کا سر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

"رب العالمین کا احسان عظیم ہے ہم پر کہ آج تو تمام مشکلات سے نکل گئی نور جہاں۔ اللہ نے تیری مدد کی، اور تیرے لئے محافظ بھیجے۔ بالآخر تیرا سولھواں سال مکمل ہو گیا، اسی دن کا ہمیں انتظار تھا اور اللہ کے فضل سے تجھے جو بھی ملا تیرا ہمدرد اور غمگسار ملا آہ یہی تو سب کچھ تھا۔"

پھر بزرگ نے سکندر شاہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ "او سکندر شاہ! میرے بھائی تو نے میری عزت اور آبرو کی جس طرح حفاظت کی اور جس طرح تو نے مجھے کامیابی سے ہمکنار کرایا وہ تیرا احسان عظیم ہے میرے اوپر میں تیرے اس احسان سے کبھی سر نہیں اٹھا سکتی سکندر شاہ' اللہ کا شکر ہے کہ میری بیٹی کی تقدیر کا فیصلہ تیرے ہاتھوں ہوا۔"

"مگر ہماری سمجھ میں کچھ آیا نہیں ہے۔"

"آپ لوگ بیٹھ جایئے' میں پوری کہانی سناتا ہوں۔" اس بار اس پر جلال شخص نے کہا جس کے چہرے پر نگاہیں نہیں ٹکتی تھیں' وہ سب بیٹھ گئے' سب کے چہرے تصویر حیرت بنے ہوئے تھے' تب پر جلال شخص نے کہا۔

"اور تم سناؤ مہاگرو چندن راج اب کیا کہتے ہو تم؟"

"میں کیا کہوں گا اب۔ تم نے تو سب کچھ ہی چوپٹ کر دیا۔"

"ہار مانتے ہو اپنی۔" اس شخص نے کہا اور چندن راج نے برا سا منہ بنا کر گردن جھکالی' تب وہ شخص بولا۔

"سکندر شاہ اور میرے معزز دوستو! میرا نام زرقوس ہے اور یہ میرا بیٹا یاقوت۔ یہ جو باباجی بیٹھے ہوئے ہیں ان کا نام چندن راج ہے اور یہ میرے استاد محترم مولوی کرامت علی ہیں۔ یہ ان کی اہلیہ ہیں اور یہ دونوں تمہاری رانی یا ہماری نور جہاں کے ماں باپ ہیں۔" سب کے بدن میں جھرجھری سی دوڑ گئی تھی۔ زرقوس نے پھر کہا۔ "میں کون ہوں کیا ہوں دوستو! میرے بارے میں میرا خیال ہے نہ جانو تو بہتر ہے' بس اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ مولوی کرامت علی کا شاگرد ہوں اور ان سے درس کلام پاک لیتا رہا ہوں۔ واقعہ اصل میں یہ ہوا کہ مولوی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بڑا دینی علم دیا ہے' یہ سیدھی سادھی اور معصوم سی زندگی گزار رہے تھے جس بستی میں یہ رہتے تھے اس کا نام نشان پور تھا۔ نشان پور کے نواح میں ایک مسجد تھی جس میں مولوی صاحب درس کلام پاک دیا کرتے تھے اور محنت مزدوری کر کے زندگی گزارتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بچی دی تھی جس کا نام انہوں نے نور جہاں رکھا تھا۔ ایک بار مولوی کرامت علی صاحب درس سے واپس آ رہے تھے کہ کچھ ارواح خبیثہ نے ان کا راستہ روکا اور ان سے کہا کہ وہ واپس لوٹ جائیں آج ان کا یہاں راج ہے۔ وہ گھر نہیں جا سکتے۔ مولوی صاحب نے ان سے کہا کہ بھائی ہم اپنے راستے چلے جائیں گے تم جو کچھ کر رہے ہو وہ کرتے رہو' لیکن ارواح خبیثہ مولوی صاحب کو نقصان پہنچانے کے درپے ہو گئیں اور یہ



اصل مسئلہ کالے جادو کی ایک مشق کا تھا جسے چندن راج کا بیٹا کرم راج کر رہا تھا۔ چندن راج خود بھی کالے جادو کا بہت بڑا ماہر ہے اور اپنے بیٹے کرم راج کو وہ کالا جادو سکھا رہا تھا کرم راج اس وقت اپنے کالے جادو کا آخری عمل کر رہا تھا اور اس میں یہ ضروری تھا کہ کسی مسلمان عالم کو اذیتیں دے کر ہلاک کر دیا جائے اور اتفاق سے مولوی کرامت علی اس وقت ادھر سے گزر رہے تھے تو کرم راج نے سوچا کہ مرغا پھنس گیا ہے چلو اسے حلال کر لو۔ لیکن بیوقوف مولوی صاحب کی قوتوں کو نہیں جانتا تھا۔ مولوی صاحب نے انہیں لاکھ سمجھایا لیکن وہ نہ مانے اور پھر ہم بھلا کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ ہمارے استاد محترم کو کوئی نقصان پہنچے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کرم راج وہیں جل کر خاکستر ہو گیا اور ارواح خبیثہ بھاگ نکلیں۔ چندن راج کو فوراً ہی پتہ چل گیا اور اس نے مولوی کرامت علی سے انتقام لینے کا فیصلہ کیا۔ وہ اپنے بیٹے کی موت کا انتقام مولوی صاحب سے لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ نور جہاں کو اغوا کر لے گا اور اس کے بعد اسے پوشیدہ رکھ کر کالے جادو کا ماہر بنا دے گا' اور اس سے اس کا دین بھی چھین لے گا۔ لیکن اللہ کا احسان ہے کہ مجھے بروقت اطلاع ہو گئی۔ البتہ چندن راج نے اپنے سفلی علم سے جو ایک حلقہ بنایا تھا اسے توڑنا آسان کام نہیں تھا۔ بحالت مجبوری یہ طے کیا گیا کہ نور جہاں کو کسی دور دراز مقام پر پہنچا دیا جائے اس کی نگرانی رکھی جائے اور اسے دوسروں کے ہاتھوں پلوایا جائے۔ چندن راج کے کالے جادو کا توڑ یہ تھا کہ نور جہاں کسی غیر جگہ پرورش پائے' لیکن ایک اور سلسلہ تھا وہ یہ کہ اگر کوئی بد باطن نور جہاں کو چندن راج کے ان دو سادھوؤں کے حوالے کرنے پر آمادہ ہو جائے تو پھر نور جہاں کی حفاظت ممکن نہیں تھی اور یہ فیصلہ ہو گیا کہ نور جہاں کو لے جایا جائے گا۔ چندن راج نے بھی چیلنج کرتے ہوئے کہا کہ وہ آخر کار نور جہاں کو حاصل کر لے گا۔ چنانچہ بھائیو نور جہاں کو سمجھا بجھا کر روانہ کر دیا گیا میں اور میرا چھوٹا سا بیٹا یاقوت جو نور جہاں سے صرف چار سال بڑا ہے نور جہاں کو لے کر چل پڑے اور اسے ایک ویران سی جگہ چھوڑ دیا گیا۔ جہاں ایک معصوم اور سادہ لوح انسان جس کا نام کنہیا لعل تھا اور جو خود بھی بہت سی بیٹیوں کا باپ تھا نور جہاں کو اٹھا کر لے گیا اور اس نے اس کی محبت کے ساتھ پرورش شروع کر دی' ہرچند کہ وہ ہندو تھا لیکن شریف انسان تھا' پھر چندن راج کے یہ دونوں سادھو پتہ لگاتے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے ایک چال چلی اور کنہیا لعل کو پریشان کر دیا لیکن دل سے وہ نور جہاں کو ان لوگوں کے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں ہوا تھا۔

ادھر جب نور جہاں کو اس کا علم ہوا تو اس نے وہ جگہ چھوڑ دی اور دوسری بار وہ ایک مسلمان

شخص شبن میاں کے ہاتھ لگی' شبن میاں بھی اچھا انسان تھا' نور جہاں کو اس نے محبت سے اپنے ساتھ رکھا' ہم لوگ ہر جگہ ہر اس شخص کی مدد کرتے تھے جو ہماری نور جہاں کو اپنے گھر لے جاتا تھا اور اسے عزت سے پروان چڑھاتا تھا۔ شبن میاں کے بھی وارے نیارے ہو گئے۔ اسے ہر طرح کی سہولتیں دی گئیں۔ نور جہاں کو ہم نے ایسی قوتیں دے دی تھیں کہ وہ بہت سے لوگوں کے کام کر دیا کرتی تھی۔ میرا بیٹا یاقوت اس سے اکثر ملتا رہتا تھا اور کبھی کبھی میں بھی' پھر شبن میاں کے والد صاحب دولت کے لالچ میں آ گئے اور ایک بار پھر ہمیں مداخلت کرنی پڑی۔ ہمیں ایسے شخص کی تلاش تھی جو دولت کے بدلے نور جہاں کو قربان نہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ ہی ہمیں نور جہاں کے جوان ہونے کا انتظار تھا۔ چندن راج کی اس قسم اور عمل کا ایک وقت مقرر کر دیا گیا تھا اور وقت یہ تھا کہ اگر چندن راج نور جہاں پر قابو نہ پا سکتا اور نور جہاں سولہ سال کی ہو گئی تو پھر چندن راج کا جادو بے اثر ہو جائے گا اور کیا ہی عمدہ بات ہے کہ سکندر شاہ صاحب جنہیں ہم ایک انتہائی شاندار اور بہترین انسان کہہ سکتے ہیں نور جہاں کی پرورش کا باعث بنے اور ان کی تحویل میں وہ سولہ سال کی ہوئی لیکن یہ کمبخت سادھو پھر پہنچ گئے تھے اور انہوں نے اس نازک وقت میں اپنا جال ڈالنے کی کوشش کی تھی۔ خدانخواستہ اگر اس وقت سکندر شاہ پچاس لاکھ روپے کی چمک میں آ جاتے تو پھر چندن راج کا جادو نور جہاں پر چل سکتا تھا اور اسے ان کی تحویل میں جانا پڑتا لیکن شکر ہے مالک کا کہ سکندر شاہ صاحب فراخ دل انسان نکلے اور اس نے ان نوٹوں کے ڈھیر پر لات مار دی اور یہاں چندن راج کا سارا کھیل ختم ہو گیا۔ یہ ہمارے درمیان معاہدہ تھا۔ چندن راج کے دونوں سادھو قید ہو گئے۔ چندن راج نے یہ طے کیا تھا کہ اگر وہ اپنی آخری کوشش میں بھی ناکام رہا تو پھر ہمیں اختیار ہو گا کہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو زندگی سے محروم کر دیں اور اب وہ وقت آ گیا ہے سکندر شاہ صاحب..... چنانچہ اب صورتحال یہ ہے کہ حق حقدار کو پہنچنے والا ہے اور یہ سارا کھیل ختم ہو رہا ہے اب نور جہاں آزاد ہے۔ ہم نور جہاں کو اپنے ساتھ لے جائیں گے لیکن سکندر شاہ صاحب ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ کو اس سے محبت ہے آپ نے اپنی زندگی کا سب سے طویل وقت اس کے ساتھ گزارا ہے چنانچہ اس کے لئے یہ طے کر لیا گیا ہے کہ نور جہاں کو آپ سے ہفتے میں ایک بار ملایا جاتا رہے گا۔ سب سے بڑی بات میں آپ کو یہ بتا دوں کہ مولوی کرامت علی صاحب نے نور جہاں کی شادی میرے بیٹے یاقوت سے کرنے کا وعدہ کر لیا ہے اور کچھ عرصے کے بعد آپ کی یہ رانی اور ہماری نور جہاں میری بہو بن جائے گی' یہ بڑا دلچسپ عمل ہے کہ یہ عمارت بالآخر ان لوگوں کا مدفن بنی' آپ



جانتے ہیں معاہدہ کیا تھا؟ معاہدہ یہ تھا کہ اگر سولہویں سال کا آخری دن پورا ہونے تک نور جہاں چندن راج کی تحویل میں پہنچ گئی تو مولوی کرامت علی صاحب کو اور مجھے زندہ قبر میں دفن ہونا پڑے گا اور اگر وہ اس کوشش میں ناکام رہا تو اسے آگ کے الاؤ میں جلنا پڑے گا اور اس عمارت کے صحن میں آگ کا الاؤ تیار کیا جا چکا ہے۔"

"معاف کر دے مجھے' معارف کر دے زرقوس تو ہم جیسا انسان نہیں ہے تو تو جن ہے' کسی جن کو ہم سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟"

"میری تجھ سے کوئی دشمنی نہیں ہے چندن راج۔ تیری دشمنی میرے استاد مولوی کرامت علی سے ہے اور مولوی صاحب کی عزت میری عزت ہے بھلا کس کی مجال ہے جو ان کی جانب نگاہ اٹھا کر دیکھ سکے۔ میں تجھے کسی قیمت پر زندہ نہیں چھوڑوں گا کیونکہ اس کے بعد میں جانتا ہوں کہ تو اپنے سفلی عمل سے مولوی صاحب کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔"

"آہ نہیں کروں گا' ایسا بالکل نہیں کروں گا' مجھے معاف کر دے۔ مجھے معاف کر دے زرقوس مجھے معاف کر دے۔"

"یہاں معافی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"سنو زرقوس مولوی کرامت علی پہلی بار بولے۔"

"جی استاد محترم!"

"کیا کوئی ایسی گنجائش نہیں نکل سکتی کہ ان تینوں کو؟"

"مولوی صاحب آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن خدا را مجھے یہ حکم نہ دیجئے گا کہ میں انہیں زندہ چھوڑ دوں' کیونکہ میں جانتا ہوں اس کے بعد کیا ہو گا؟ اور جو ہو گا وہ میں آپ کو بتانا نہیں چاہتا۔"

"اللہ کی مرضی مولوی صاحب گردن ہلا کر بولے اور زرقوس خاموش ہو گیا' چندن راج کے دونوں سادھو بری طرح چیخ رہے تھے۔

"تیرا بیڑا غرق ہو' کالے کافر تیرا ستیاناس جائے ہمیں بھی مروا دیا تو نے۔ ساری زندگی ہمیں دربدر رکھا' کیا کر لیا تو تو بڑا مہان بنتا تھا ارے کیا بگاڑ لیا تو نے ان کا' ارے بھائی ہمیں تو معاف کر دو' ہم تو کرائے کے ٹٹو ہیں۔"

"نہیں دوستو! معاہدہ معاہدہ ہوتا ہے ہم جانتے ہیں کہ تم نے ہماری نور جہاں کو کیسی کیسی

تکلیفیں پہنچانے کی کوشش کی ہے تمہیں معاف نہیں کیا جاسکتا۔ یہ صورتحال ایسی تھی کہ سبھی کے بدن کانپ رہے تھے۔ مرزا اعظم بیگ' شکیل اور جو لوگ وہاں موجود تھے وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے زندگی میں پہلی بار انہوں نے کسی جن کو انسانی شکل میں دیکھا تھا اور وہ آنے والے وقت سے بے حد خوفزدہ تھے۔

ساری کہانی ایک خواب معلوم ہوتی تھی۔ وہ ہو رہا تھا جو قصے کہانیوں میں ہوتا ہے۔ جتنے افراد وہاں موجود تھے سب سکتے میں تھے۔ سکندر شاہ نے خواب میں بھی یہ سب نہیں سوچا تھا۔

پھر انہوں نے وہ بھیانک منظر دیکھا۔ تین افراد کو زندہ آگ میں جلا دیا گیا تھا۔ چندن راج آخری وقت تک معافیاں مانگتا رہا تھا۔ اس نے دہائیاں دی تھیں لیکن معاملہ زرقوس کا تھا۔ اس کے سامنے بولنے کی مجال کسی کو نہیں تھی۔

آخر کار وہ تینوں شیطان جل کر راکھ ہو گئے۔ الاؤ کی آگ نے ان کے بدن کو کوئلہ کر دیئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر زرقوس نے کہا۔ "اب آخری مرحلہ رہ گیا ہے سکندر شاہ۔"

"کیا؟"

"ہمیں اجازت دو۔ ہم نور جہاں کو لے جا رہے ہیں اس کے ماں باپ تمہارے شکر گزار ہیں۔"

"میں بھلا اسے کیسے روک سکتا ہوں۔" سکندر شاہ غمزدہ لہجے میں بولا۔

"تم سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ ہفتے میں ایک بار وہ تم سے ملنے ضرور آیا کرے گی تمہاری اسی محبت کا ہم کوئی صلہ تو نہیں دے سکتے۔ یہ انگوٹھی رکھ لو۔ کبھی کوئی مشکل پیش آئے تو اسے ہتھیلی پر رگڑ دینا میں آ جاؤں گا۔ اب آپ لوگ جایئے۔ ہم چلے جائیں گے۔" بالاخر رسمی کارروائیوں کے

بعد وہ وہاں سے چلے آئے۔

یوں نور جہاں 'گڑیا' رانی کا سولہواں سال پورا ہو گیا تھا لوگوں کو اس کی شادی میں بھی مدعو کیا گیا تھا اور کسی انسان کا جنوں کی شادی میں شریک ہونے کا پہلا تجربہ تھا۔

نور جہاں اب یاقوت کے ساتھ ہفتے میں ایک بار مرزا اعظم بیگ کی حویلی میں آتی ہے اور کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ سکندر شاہ کی بیٹی داماد کون ہیں۔

ختم شد